

188703

95.5.961
1-43

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188703

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 9225921 Accession No. 2808

Author 7808 امام شيخ الاسلام محمد - 1

Title اسوة حسنہ

This book should be returned on or before the date last marked below.

جملہ حقوق محفوظ ہیں



ترجمہ
ہدٰی الرسول
علیہ السلام
صلی اللہ علیہ وسلم

اختصار

زاد المعاد فی ہکے ذخیر العباد و صلعم

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ

۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء

دفتر الہلال بک ایجنسی لاہور

سے

شائع ہوئی

قیمت مجلد ۸

بار اول ایک ہزار

سِلَہ ترجمہ

اس ترجمہ کے پیش نظر ان

اعلیٰ نادرا و بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم ہیں جن کا مطالعہ اصلاح عقاید اسلام اور اخذ و فہم حقیقت اسلامیہ کیلئے نہایت ضروری اور گزری ہے اس سلسلہ میں جس امام حسنؑ جس میں من کا بل جس مجاہد حقؑ اور جس یکہ تازہ مقام علم و عمل شخصیت کی بعض اہم تصانیف کے تراجم کی تکمیل ترجمہ کی ہذا کی مساعی کا مرکز و محور ہے شیخ المسلمین ملاذ المجاہدین سید الکاملین امام العارفین وارث الانبیاء قدوة الاولیاء حضرت شیخ الاسلام نقی الدین ابی العباس احمد بن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک ہے اس مقام پر یہ عرض کرنا کی ضرورت نہیں کہ امام محدث کی بلند مناصب اخوت و نزالت کی حقیقت کیا ہے اسلئے کہ ان کی تصانیف اردو کے لباس میں عامۃ الناس کے سامنے آجائیں گی تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائیگی لیکن جن حضرات کو اس بابر میں تفصیلی بحث دیکھنے کی خواہش ہو وہ حضرت مولانا ابوالکلام کے تذکرہ میں شرح مقام عزیمت کے بیان کو ملاحظہ فرمائیں اسلئے کہ اس بیان کا ایک بہت بڑا حصہ امام محدث کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے ہم سزا ست امام محدث کی مبسوط و ضخیم تصانیف کے ترجمہ شائع نہیں کر سکتے بلکہ سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے رسائل کے عام فہم و سلیس عبارت میں اور ترجمے شائع کر گئے کہ وہ کہے کہ قیمت میں عام حضرات تک پہنچ سکیں اور وہ ان کے مطالعہ مستفید ہو سکیں ضخیم تصانیف کے ترجمہ کا سلسلہ انشاء اللہ العزیز بعد میں شروع کیا جائیگا۔ یہی ضمن میں امام محدث کے تلمیذ حافظ ابن قیمؒ اور اوس حلیل و عظیم صف کے اجض و سر بزرگوں کی تصانیف کے ترجمہ شائع کرنا اور انہیں عام ادراج دینا اس ترجمہ کا دوسرا مقصد ہے۔

پہنچا ہے اس سلسلہ کا اولین نمبر اسوۂ حسنہ کو حاصل ہوا جو ہدیہ ناظرین ہے۔ علاوہ انہیں بہت سی کتب کے ترجمہ کا سلسلہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور بہت سی کتابوں کے ترجمہ پر غور ہیں جن میں بعض کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

(۱) القاعدۃ الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ - (۲) الوسطہ بین الخلق والحق -

(۳) رفع الملام عن ائمة العلام - (۴) السیاسة الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیہ -

(۵) الفرقان بین اولیاء الشیطان و اولیاء الرحمن وغیرہ۔

المستخرج من الملل بک ترجمہ لاہور

انتساب

علامہ ابن قیم کی تصنیف، امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے نام نامی سے منسوب کی جاتی ہے، ایک شہنشاہِ علم کے جواہر کا تہیہ دوسکے شہنشاہِ علم کی خدمت میں ہے۔

”الملالُ مُبک ایجنسی“، کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم اور امام المذنبینول علم بردارانِ کتاب و سنت سے خاص نسبت حاصل ہے اہل دنیا کی نظر میں اہلِ دول کے کیسے زر پر رہتی ہیں، مگر ہمارا قبلہ مقصود علم اور شہنشاہانِ علم ہیں :

ما قصۃ سکندر و دارا سخاوندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا پیرس!

محمد عبد العزیز خاں
”الملالُ مُبک ایجنسی“

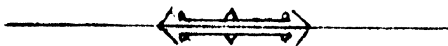
فہرس مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	فصل	۱	دیباچہ از مترجم
		۲	مقدمہ عالم مصری
۲۴	{ عزت و غلبہ مومنوں کیلئے ہے } { اتباع رسول فرض ہے }	۳	الدین کیسٹر
		۴	دین مشکل کب سے ہوا ؟
	فصل	۴	{ اس کتاب اور کتب فقہ } میں فرق
۲۸	{ لطیف و خبیث کا بیان } { سیرۃ نبوی کی ضرورت }	۶	شریعت قرآن کے اندر ہے
	باب	۷	سنت نبوی
	(ولادت، بعثت، اخلاق)	۱۲	علماء کا اعراض
		۱۲	ائمہ اربعہ
		۱۳	ائمہ کی کتابیں
		۱۳	علماء کے فرائض
۲۹	نسب نامہ (رسول خدا صلعم)	۱۶	ائمہ کا مسلک
۲۹	ولادت باسعادت	۱۶	ابن الحکم (آلہ اللہ)
۳۰	بچپن اور شباب	۲۲	مقدمہ امام ابن قیم

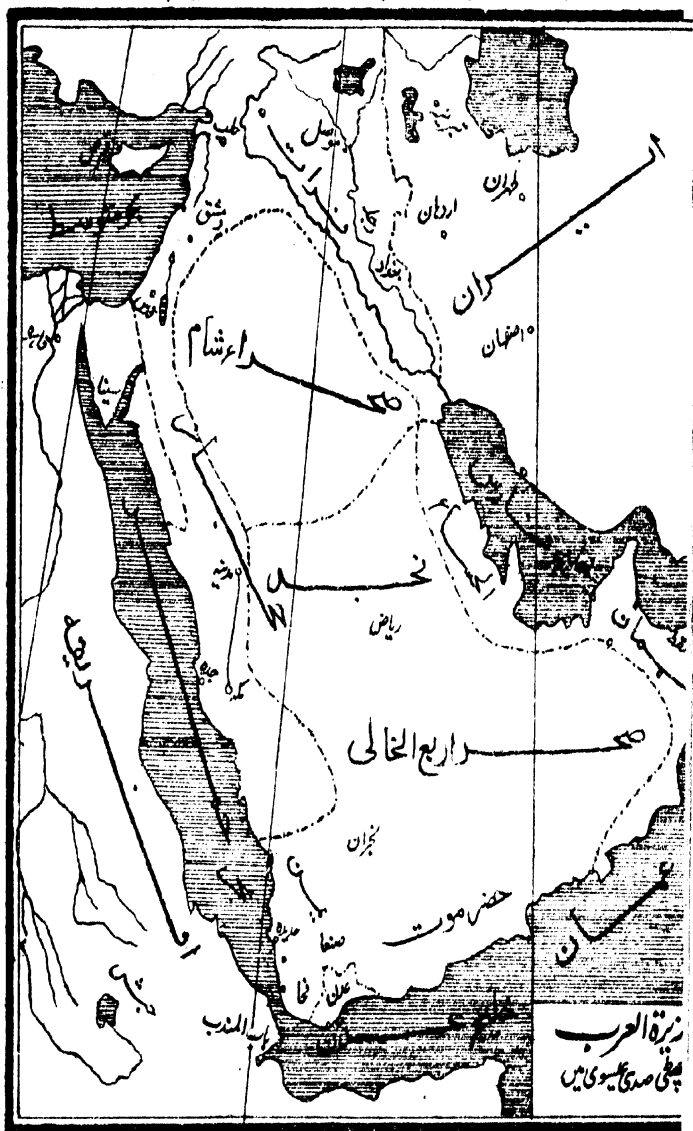
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸	حدی خوان	۳۰	خلوت پسندی
۴۸	ہستیار اور گھر گستی	۳۱	نبوت
۴۹	لباس	۳۱	اقسام وحی
۵۲	اکل و شرب	۳۳	مختون و مسرور
۵۳	ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ	۳۳	رضاعی مائیں
۵۵	خواب اور بیداری	۳۴	کھلائیاں
۵۶	سواری	۳۴	اولین وحی
۵۶	معاملات اور اخلاق	۳۵	ترتیب دعوت
۵۹	چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا	۳۵	دو ہجرتیں
۶۰	قضائے حاجت	۳۶	دین حق کی ترقی
۶۱	صفائی	۳۹	آپ کی اولاد
۶۵	گھٹکوا، خاموشی، ہنسی، رونا	۴۰	آپ کے چچا اور پھوپھیاں
۶۶	خطبہ	۴۰	اتہات المؤمنین
۶۸	نام	۴۲	آپ کے غلام اور کینیزیں
۶۸	سلام	۴۲	آپ کے خدام
۷۰	چھینک	۴۳	آپ کی شرعی تحریریں
۷۰	گھر میں کس طرح داخل ہوتے	۴۳	خطوط اور قاصد
۷۱	{ گھر میں آنے کے لئے }	۴۶	مؤذن
	{ اجازت چاہنا }	۴۷	عمال
۷۱	مرغوبات و مکروہات	۴۷	مفاظظ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۴	زیارتِ قبور		باب ۲
۱۰۶	صدقہ و زکوٰۃ		عبادات
۱۰۸	صدقہ فطر		
۱۰۹	خیرات		
۱۰۹	روزہ	۷۳	وضو
۱۱۳	نفلِ روزہ	۷۴	تیمم
۱۱۴	اعتکاف	۷۵	نماز
۱۱۴	حج و عمرہ	۸۵	سجدہ سہو
۱۲۵	قربانی و عقیقہ	۸۶	نماز کے بعد
۱۲۷	اذان	۸۷	سترہ (آڑ)
۱۲۸	اذان کے دوران میں اور اسکے بعد کیا کہا جائے ؟	۸۷	سنن و نوافل
	باب ۳	۹۰	سجدہ شکر و سجدہ قرآن
	جہاد و غزوات	۹۰	جمعہ
۱۲۸	جہاد	۹۳	عیدین
	غزوات :	۹۵	صلوٰۃ کسوف
۱۳۳	غزوہ بدر	۹۶	صلوٰۃ استسقاء
۱۳۸	غزوہ اُحد	۹۷	سفر
۱۴۶	غزوہ المریض	۹۹	قرآن کا پڑھنا اور سننا
۱۴۸	غزوہ خندق	۱۰۰	عیادت
		۱۰۰	کفن، دفن، جنازہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۹	بیوع	۱۹۰	بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم
	باب ۴	۱۹۰	نکاح میں کفو کی شرط؟
	تندرستی	۱۹۰	اگر عورت یا مرد میں عیب ہو
۲۰۰		۹۱	زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم
۲۰۰	اسوۂ نبویؐ	۱۹۱	طلاق
۲۰۱	بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہئے	۱۹۲	بیک دفعہ تین طلاق
۲۰۱	امراض معدیہ سے تحفظ	۱۹۴	ظہار
۲۰۲	نیم حکیم	۱۹۵	ایلاء
۲۰۲	بد مضی	۱۹۵	اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا
۲۰۲	اپریشن	۱۹۶	طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس ہے؟
۲۰۲	بیمار کو کھانے کیلئے مجبور نہ کرنا	۱۹۶	نان نفقہ
۲۰۳	بیمار کا دل بہلانا	۱۹۷	نفقۃ الاقارب
۲۰۳	حرام سے علاج نہ کیا جائے	۱۹۸	رضاعت
۲۰۴	خاتمۃ الکتاب	۱۹۸	عدت



اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب (الحديث)



برائے اسوہ حسنہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

أُسْوَةٌ

ترجمہ
هَذِي الرُّسُولُ ﷺ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اختصار
زَادُ الْمَعَادِ فِي هَذِي خَيْرِ الْعِبَادِ

تالیف
شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ

مترجمہ
مولانا عبد الرزاق صاحب دہلوی

سابق مدیر پیغام و الحجامہ کلکتہ

جس کو

الہلال بک ایجنسی لاہور نے

بعد از اخذ حق طبع و تصنیف

شائع کیا

۳۴۲

کرمی پریں لاہور نزد کو تو الی قدیم میں باہتمام میر تقی میر شاعر
چھپ کر شائع ہوئی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ از مترجم

امام ابن قیمؒ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند ورق ناکافی ہیں، البتہ اتنا بتادینا ضروری ہے۔ کہ ابن قیمؒ "شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" کے شاگرد رشید، زندگی بھر کے رفیق، قید خانے کے ساتھی اور استاد کے بعد ان کے علوم کے نہایت قیمتی ہنارف کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں۔ متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے بعد ابن قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اسلئے اگلی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے، کم ہے۔

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" کے نام سے فن سیرت میں چھوڑی ہے، یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اب کچھ کہنا انتہائیل حاصل ہے۔ ابن قیمؒ سے پہلے اور بعد بکثرت سیرت نگار گزرے، مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا۔ جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے، لوگوں نے آنحضرتؐ معلم کی سوانحیں یاں لکھیں، مگر اس طرح کہ گویا کسی سپلائی کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ آپؐ کی حیات طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی، جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات

بتائے جاتے، اور امت کے سامنے اسوۂ حسنہ نبویؐ اس طرح کھول کے رکھ دیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف حالات میں اُس سے شیع ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی ضرورت پوری کی۔ اور زاد المعاد تصنیف کر کے ہمیں اس قابل بنادیا کہ آیت کریمہ ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوًا حَسَنًا“ کے بموجب بآسانی عمل کر سکیں۔

لیکن چونکہ زاد المعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں بآسانی نہ آسکتی تھی، اسلئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات سے ہیں تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیضیاب ہو سکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی صر کے ایک روشن خیال عالم میرے دوست و رفیق درس ”شیخ محمد ابوزید“ نے پوری کر دی اور اصل کتاب کا اختصار ”ہدی الرسول“ کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ اردو ترجمہ اسی کتاب کا ہے جو اہل لبک ایجنسی کی خواہش سے میں نے کر دیا ہے۔
 دعا ہے کہ خدا اسکے ذریعہ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالرزاق بیچ آبادی
 ماہ فروری ۱۹۲۷ء

مقدمہ عالمِ مصری

حمداً وسلاماً

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں۔ اور اُس دینِ نیتین کی پیروی کریں جو اللہ نے ان کے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کیلئے نازل فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسوۂ نبویؐ معلوم کیا جائے اور سنتِ عملی پیش نظر ہو۔ کہ جس کے ذریعہ رسولِ خدا صلعم نے اس دینِ نبیؐ کی توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کہ آغازِ وحی سے تکمیلِ دین تک پورے زمانہ کی حیاتِ نبویؐ سامنے ہو۔ جو ہمیں شعلِ راہ کا کام دے سکے۔

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امام ابنِ قیمؒ کی زاد المعاد ہے جس نے اس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے؛ مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی۔ اور ہر سوائس و آکس کے مطالعہ میں نہ آ سکتی تھی؛ اسلئے میں نے اسے مختصر کر دیا؛ تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیضیاب ہو سکے۔

الذین یُسیر

صدرِ اول میں دین کا علم و تعلم بالکل آسان تھا۔ علماء و سنتِ نبویؐ کا علم حاصل کرتے؛ پہلے خود عمل کرتے؛ پھر اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرتے؛ اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امت ان کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتی اور خود بھی عمل کرنے لگتی؛

درمیان میں کوئی چیز سد راہ نہ ہوتی۔ اُس وقت امت کیلئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا، کیونکہ اول تو خود یہ دین ہی بہت آسان، صاف، مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گنجشک سے دور ہے، پھر اُس زمانہ کے علماء کا عملی نمونہ خاص طور پر مؤثر تھا، لوگ علماء کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا، ادراکی اتباع و پیروی پر لگ جاتے۔ اُس وقت کے علماء رسول کے واقعی جانشین اور امت کیلئے قدوہ و نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اُس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا۔ جب سے علماء نے طریقہ نبوی یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی، اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل و قال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتنے اور فرقے قائم ہو گئے، ہر فرقہ نے اپنے طریقے کی تصحیح کی، بکثرت کتابیں لکھیں، یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کی شرحیں طیار کیں، پھر شرحوں پر حاشے چڑھائے، پھر حاشیوں پر بھی حاشے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کر دی، اور مختلف مدارج و مراتب قائم کر دیے۔ مجتہد مطلق، مجتہد مذہب، مفتی، مذہب، مرجع مذہب، مقلد مذہب، پھر ستم یہ کیا کہ مخلوق خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف انکی کتابوں سے حاصل کریں اور ان قیود و شرط و رموز پر کار بند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل و رائے سے قرار دے رکھے ہیں، بیشمار قیدیں اور شرطیں ہیں، انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا۔

اس کتاب اور کتب فقہ میں فرق

اگر تم اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کرو گے۔ تو صاف طور پر نمایاں فرق پاؤ گے، کوئی باب لے لو، مثلاً باب وضو، غسل، تیمم، اس کتاب میں دیکھتے ہی تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے، حالانکہ جامع ازہر میں ہم نے

باب وضو تین جہینے میں پڑھا، مگر وضو کی حقیقت و سہولت سمجھ میں نہ آئی، یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹایا۔

ہم میں بہترین جامع ازہر میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی۔ پہلے لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رٹ جانے کے خود اس مذہب کی بھی تحقیق حاصل نہیں ہوئی، دو سکر مذاہب کی تحقیق اور تفسیر و حدیث کا علم تو بہت دور رہا، چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت و اضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طرقتی ترجیح تک نہیں جانتے۔

جب علماء کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں پر چلیں و علانکہ وہ اپنے علم کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔ دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ و حقیقت یہ ہے کہ اسکا حاصل کرنا ان بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت میں متعاض اقوال، پیچیدہ مسائل اور گونا گوں قیود و شروط سے چنانچہ ان کے اندر فرائض ہیں و واجبات ہیں، مستحبات ہیں، مبطلات ہیں، پھر مکروہات کا سلسلہ ہے، ذکر اہیت تحریمی، کراہت تنزیہی ہے، غرض کہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بیشمار اطلاعات سے بھرا ہوا ہے، باب وضو ہو، یا باب صلوٰۃ، یا کحل ہو یا طلاق ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، جن سے بجز تشویش ذہن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے، وہ محض فرض و تخمین کی پیداوار اور ذہن و دماغ کی اختراع ہیں، ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا البتہ

جب علماء صریحاً یہ حالت ہے جو اس وقت دینیہ اسلام میں خاص علمی رجحان سے ہے اور جسکی جامع ازہر و نابھ

میں مشورہ ہے تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی

انشر تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے :-
 اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
 مَنْ دُونَهُ اُولَئِكَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (۸: ۸)
 جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا اس
 کی پیروی کرو! دوسروں کی نہ کرو۔

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مَنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَ أَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسُرُنِي عَلَى مَا ظَلَمْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ وَبَلَى قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ (۳۰: ۲۸)

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ
الْقَوْلَ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رَبِّكَ الْوَيْهَانَ

اے رسول! میرے اُن بندوں کو بشارت دیدو
جو بات سننے میں اور اُس کے ہر حصہ پر عمل کرتے

هَذَا هُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ | ہیں، انہیں کو خدا نے ہدایت کی تھی، اور وہی
عقل مند ہیں ۱۹: ۲۳

اور فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا | اللہ نے نہایت عمدہ گفتگو ایک منظرہ کتاب
مُتَشَابِهًا مَثَابًا تَتَشَعَّرُ مِنْهُ جُلُودُ | نازل فرمائی جس سے اُن لوگوں کے رگوں کھڑے
الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ يَلِدْنَ جُلُودَهُمْ | ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر انکی
وَقُلُوْبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ، ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ | جلدیں اور قلوب خدا کا ذکر سن کر نرم ہو جاتے ہیں۔
يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ عُرْوَةً مِّنْ يُصَلِّلُ اللَّهُ | یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہے اس سے سرفراز
فَمَالَهُ مِنْ هَادٍ - (۱۷: ۲۳) | کرے اور جسے اللہ ہدایت نہ کرے اس کیلئے
کوئی ہدایت کر نوالا نہیں۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ | ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کیلئے آسان کر دیا
مُذَكِّرٍ - (۲۹: ۲۴) | ہے، کوئی ہے جو نصیحت پکڑے؟

اور فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاكَ يَلِيسَا نَاكَ لَعَلَّهُمْ | ہم نے قرآن کو آسان کر دیا، رسول! تمہاری بولی میں آسان
يَتَذَكَّرُونَ - (۲۸: ۲۵) | کر دیا ہے کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا:

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ | قرآن عربی بغیر کسی کجی کے تاکہ یہ لوگ پرہیزگار
يَتَّقُونَ - (۱۷: ۲۲) | بنیں

سنت نبویؐ

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں

کیونکہ وہ کلامِ الہی کی شایع اور منستر ہے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ عَلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کیلئے
وہ سب بیان کرے جو ان کیلئے اُتار گیا ہے،
شاید کہ وہ کچھ غور کریں۔

۱۲: ۱۳

اور منسرایا:

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا يُبَيِّنَ
لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ
ہم نے تجھ پر کتاب صحت اسلئے نازل کی ہے کہ
جن چیزوں میں وہ جھگڑتے ہیں انہیں کھول کے
بیان کر دے، قرآن ہدایت و رحمت ہے مومنین کیلئے

۱۳: ۱۴

اور منسرایا:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى
هٰذَا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ
اور اس دن جب ہم اٹھائینگے ہر قوم پر ایک شاہد
خود اسی قوم میں سے اور لاینگے تجھے گواہوں کے
پر ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو تفسیر ہے
ہر چیز کی اور ہدایت، رحمت اور بشارت مسلمانوں
کیلئے۔

(۱۸: ۱۴)

اور منسرایا:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرٰى وَلٰكِن تَصْدِيقًا
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْوِیْلٌ كُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ
قرآن ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی جاسکے بلکہ وہ
تصدیق ہے اُسکی جو اُسکے سامنے موجود ہے
(کتبِ کلمات) اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت
و رحمت ایمان لانے والوں کیلئے۔

۲۱: ۱۳

اور منسرایا:

لَا يَخْرُجُ عَلَيْكَ يُخْرِجُ
یہ کتاب ہے جسے ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے تاکہ

النَّاسِ مِنَ الظَّالِمَاتِ إِلَى التَّوْبَةِ بِآذِنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ -
لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکی میں سے روشنی کی طرف لائے (یعنی) عزیز و حمید خدا کے صراطِ مستقیم کی طرف - ۱۳ : ۱۳

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَؤُوفٌ رَحِيمٌ -
وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے، بیشک اللہ تمہارے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم ہے - ۱۴ : ۲۷

اور فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ -
ہم ہی نے حق کے ساتھ تجھے کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی بعیرت کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کرے - (۱۳ : ۵)

اور فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أُنْصِبُ سَائِقَیَّ إِلَىٰ مَن رَّبِّیْ هَذَا بِمَا يُرِيدُ رَبُّكُمُ هُدًى وَرَحْمَةً لِّعِبَادِهِ لِيُؤْمِنُوا -
کہہ دے رسول اکرم تو مرت اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی جانب مجھ پر وحی کیا جاتا ہے یہ روشنی ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہر ایت اور رحمت ایمان لانے والوں کیلئے

اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ -
اور فرمایا: -

وَيَوْمَ يُعْطَى الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ -
اور جس دن نافرمان اپنے ماتھے کا بیجا اور کئے کا

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا
يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ اخَذْ فَلَا تَاخُلُنِي لَأَمْرُكَ (۱۰:۱۹)
وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اخَذُوا هَذَا
الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (۱۰:۱۹)

اور فرمایا :
لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَاءِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ لَمَّا يَقُولُ اللَّهُ الَّذِينَ
يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لَئِذَا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ
يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ
أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۵: ۱۸)

اور فرمایا :
فَلْيَعِظُوا عَلَى الْفِتَنِ وَقَدْ يَعِظُوا
يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ
لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ
حَدِيثًا (۳: ۵)

اور فرمایا :
وَمَا تَأْكُمُ الرَّسُولُ تَحْذَرُوا لَوْلَا
نَهَاكُمْ عَنْهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ (۴: ۲۸)

جو رسول تمہیں دے اُسے لو، اور جس سے منع کرے
اُسے نہ کرو، اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ سخت سزا
دینے والا ہے۔

اے کاش! میں رسول کے ساتھ رستہ پر گم ہوتا
ٹلے کبھی کاش! میں ظالم کھوسٹ بناتا۔
اسوقت رسول کہیگا۔ اے رب! میری قوم نے
اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔

مسلمانو! رسول کے بلانے کو آپس کے بلانے کی
طرح نہ سمجھو، اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو رسول
کی مجلس سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں جو لوگ
رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انکو ڈرنا چاہیے
کہ کہیں کوئی آفت ان پر نہ آن پڑے یا کوئی
دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔

اسدن کیا ہوگا جب ہر قوم میں سے ہم ایک شاہد
لائیگے اور تمہیں ان لوگوں پر شاہد لائیگے؟ اُس
دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی
کی چاہیں گے کہ کاش! زمین میں دفن ہو جائیں
اسدن خدا سے کوئی بات نہ چھپا سکیگے۔

اور فرمایا :
وَمَا تَأْكُمُ الرَّسُولُ تَحْذَرُوا لَوْلَا
نَهَاكُمْ عَنْهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ (۴: ۲۸)

اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۹: ۱۰) | رسول کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔

اور فرمایا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوا
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ
سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ - (۸: ۶)

بالحقیق یہ میرا ہی راستہ سیدھا راستہ ہے، اسی
کی پیروی کرو، اسکے سوا دوسرے راستوں پر
نہ چڑجو تمہیں خدا کے راستہ سے دُور کر دیں، اسی
کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے، شاید تم پر ہدایت
بن جاؤ۔

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنت نبوی کی دعوت دیتی ہیں، اور
کچھ لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیامبر اور احکام ربانی کے شاعر
تھے آپ ہی شریعت کے حامل، آپ ہی شریعت کے محرم راز، آپ ہی اسکے مفسر تھے،
آپ کے اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے، تاریکی دُور ہو جاتی ہے، نور ملتا ہے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى
بَصِيْرَةٍ اَنَا دَمِنَ اَتَّبِعُنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ
وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ - (۱۳: ۶)

کہدوئے رسول! یہ ہے میری راہ، میں دعوت دیتا
ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ اور جنہوں نے
میری پیروی کی، پاک ہے اللہ، میں ہرگز مشرکوں
میں سے نہیں۔

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراطِ مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری
راہوں کے اختیار کرنے سے منع کر دیا کہ جن پر پڑنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے، اور
ہدایت گم ہو جاتی ہے، اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا صراطِ مستقیم کیلئے یہی
سنتِ نبوی اور اسوۂ حسنہ نبوت کہ جسکے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی انکشف نہیں ہو سکتی۔

یہ راستہ بالکل صاف و سہل ہے، سیدھا ہے، بیچ و خم نام کو نہیں، اُس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں، متفق رہتے ہیں کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا دِينَكُمْ وَكَانُوا شِينًا
لَسْتُ مِنْهُمْ لَشِيءٌ إِنَّمَا سَرْمَةٌ إِلَى
اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُكَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ -
جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے
گروہ بند ہوئے ان میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کا
معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو انہیں بتا دیگا کہ
وہ کیا کیا کرتے تھے۔ (۷۸:۷۸)

علماء کا اعراض

لیکن با اینہم جب ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ لوگو! اس ہدایت کی تلقین کرو،
اس صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو، تاکہ سب ایک پیشوا کے زیرِ علم آجائیں جو ان میں اتفاق
اور یگانگت پیدا کر کے اختلافِ افتراق کو دور کر دے، اور دینِ اسلام اپنی تمام سہولتوں
کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مغرب و مشرق، شمال و جنوب،
میں سیل رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو اُدھر سے جواب ملتا
ہے ”تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو، مذاہبِ اربعہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہو،
ائمہ اربعہ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو، یہ کرتے ہو، وہ کرتے ہو...! ہمارا کہہ
ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے، صرف وہی کہتے ہیں جسکا بار بار خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے،
یعنی سنتِ نبوی کی پیروی۔“

ائمہ اربعہ

ائمہ اربعہ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا سراج! ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہ اور اُنکے
قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے، انہیں نے دین کی حفاظت کی
اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا، لہذا ہم انکی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ

انکے احسانات کیلئے شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اسکے معنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم ان کی آراء و اقوال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہ نے بھی ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ رسول کا قول سامنے آجائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں، یہ لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہ کی کتابیں

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہ نے محض اپنی آراء و اقوال کیلئے مذہبی کتابیں تصنیف کیں، اور مسلمانوں کو انکی پیروی کی ہدایت کی، بلاشبہ ہر ایک نے ان احادیث کی ایک ایک سند چھوڑی ہے جو ان تک پہنچی تھیں، اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے، باقی اور جس قدر کتابیں انکی طرف منسوب ہیں، انکی نہیں ہیں، بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں، تاکہ انکے اجتہادات مدون کریں اور انکے فتاویٰ پھیلائیں، پھر جوں جوں مانہ جاتا گیا، ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے نئے مسائل اور نئے نئے احکام کا اختراع شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہزار ہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ جن کے مؤلفین، شارحین اور محشین کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علما ان سے ورزش ذہن اور توسیع فکر کا فائدہ اٹھائیں، اور اختلاف حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں انکے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

علما کے فرائض

ہر زمانہ میں علما کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں کو غور کریں، وسائل ترقی معلوم کریں اور امت کیلئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں جو

۱۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نام سے جو سند مشہور ہے وہ انکی نہیں، امام صاحب نے کوئی تصدیق نہیں چھوڑی (مترجم)

اصول دین کے مطابق ہوں۔

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے: ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جنکی ایک خاص شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے جس میں کسی تبدل کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اسکی کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ یہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت احکام کے ساتھ ہی مفید ہیں، یہ ہمیں بچھتی کیطرت لے جاتی ہیں، ہمارے اندر نظام اور ڈسپلین (discipline) پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کیلئے طیارہ کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کیلئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اول دیا دیئے ہیں، وہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام و مسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت، صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اسلئے ضرور ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں، چنانچہ شریعت نے یہی کیا ہے، اس نے ان کیلئے عام اصول و قواعد تو وضع کر دیئے ہیں لیکن جزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کیلئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح باز رہے۔

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علما اور اہل الحل والعقد پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم و اجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں سے اہل شوریٰ اپنے زمانہ کے حالات کیلئے قوانین وضع کرتے تھے جن میں ان کی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو امت کی شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ اصول اپنے منطبق

و منہوم میں اتنے وسیع دہرہ گیر ہیں کہ ان تمام گوناگون حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو امتدادِ زمانہ سے برابر بدلتے رہتے ہیں۔

پس ہمارے زمانہ کے علما کا بھی فرض ہے کہ امت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں، شریعت کے کئی اصول کے ماتحت حرب ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں، یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں، قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں، تکلیف و تفسیق کے فتوے جیہوں میں مٹے پھریں، اور ہر مخالفت کو محمد و زندقہ کے نام سے پکارنے لگیں، نیز ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں، اور تقلیدِ یورپ میں شریعت اور خصوصیاتِ امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کے باعث بنیں۔ بلکہ ان کا راستہ درمیانی اور مندل راستہ ہو، نہ افراط ہو نہ تفریط، ایک طرف امت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں، دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اسکی رہنمائی و قیادت کریں۔

اس صورت میں کتب فقہِ علما کیلئے مفید ہو سکتی ہیں، وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علماء نے کس طرح قانون بنائے، نئے حالات میں کیا حکم دئے، اگر ان کے قوانین و فتاویٰ میں اس زمانہ کے علماء کو کوئی چیز پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی امت کیلئے مفید ہوگی، فوراً لے لیں، یا کچھ قطع و برید کر کے مناسب حال بنالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مان کر انکی عبادت شروع کر دیں، انکی سطر سطر کو دھی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابلِ معافی گناہ سمجھیں لیکن افسوس ہمارے زمانہ کے علماء نے امت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈال دیا ہے، اپنے اوپر عجز و نا اہلی کی مہر لگالی ہے، تقلید کو شیوہ بنا لیا ہے، تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں، اسی لئے محنت کرنے کے بجائے ان کتابوں ہی کو قبلہ عاجات قرار دے لیا ہے اور انکی غلامی و اسیری کچھ اس طرح بھاگتی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے

علماء خود پست ہو گئے ہیں، امت کی بستی کے باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگدلی و تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں!

پھر تم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور انکے مصنفین کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں، اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ و سنت اللہ کفایت کرتی ہے تو آپس پر زندقیت و خروج عن الملة کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ کرام نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہ کا مسلک

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اس کیلئے دلیل نہ پالو، انہیں میں سے ایک جلیل القدر امام کا قول ہے۔ "اذا وجدتم قولی بخلاف قول رسول اللہ فاضربوا بقولی عرض الحائط" (اگر میرے کسی قول کو قول رسول کے خلاف پاؤ تو میرے قول کو پھینک دو) ائمہ کا قول ہے "کل کلام یؤخذ منہ و یرد علیہ الا کلام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" اگر ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جاسکتا ہے بجز قول رسول کے (کیونکہ رسول اگر کہتا ہے تو وحی پاکر کہتا ہے جو غلطی سے مبتلا ہے۔ ایک امام نے ایک شخص کو دیکھا کہ انکی گفتگو لکھ رہا ہے تو منع کیا اور کہا "تکتب عنی رأیاً فتجعله دیناً للناس و دعباً ارجع عنه غدا" (میرے خیالات لکھ رہے ہو تاکہ لوگوں کیلئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں) یہ ہیں ائمہ کے اقوال!

این الحکمہ فی الا للہ

شریعت کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول کو بھیجا، پس رسول زمین پر اسکا نائب ہے۔ اور رسول ہی امام اعظم ہے،

۱۔ حضرت امام ابو منینہ کا قول ہے (مترجم)

کوئی شخص ہوتے تک مومن نہیں جب تک دین کا معاملہ خود رسول کے ساتھ نہ کرے، اختلافات میں اسی کی طرف رجوع نہ کرے اور اسکے فیصلہ پر بے چون و چرا تسلیم خم نہ کر دے۔
فرمایا:-

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ
يُحْكَمَ لَكَ فِي مَا تَخْتَرِبِينَ لَهُ ثُمَّ لَا يَجِدُوا
فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا۔ (۱۶۰: ۵)

قسم ہے تیرے رب کی یہ ایمان نہیں لائے یہاں تک
کہ اپنے جھگڑوں میں تمہیں حکم نہ آئیں، پھر اپنے
دلوں میں تمہارے فیصلہ پر کوئی تنگی نہ پائیں
اور جھجک جائیں پوری طرح۔

اور فرمایا:-

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (۱۱۳: ۷)

حکومت صرف خدا ہی کی ہے۔

اور فرمایا:-

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ
فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (۳۱: ۲۰)

جس چیز میں بھی تم باہم مختلف ہو اس کا فیصلہ
خدا ہی سے لو۔

اور فرمایا:-

إِنَّ الدِّينَ يَأْتِي بِكُفْرَانِكَ لَا شَأْنَ
بِأَيُّعُونَ اللَّهُ (۹: ۲۶)

جو لوگ اے رسول! تم سے بیعت کرتے ہیں،
خود خدا سے بیعت کرتے ہیں۔

اور فرمایا:-

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
(۱۸: ۵)

جس نے رسول کی اطاعت کی خود اللہ کی اطاعت
کی۔

اور فرمایا:-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ
مَعَ الَّذِينَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَقَرًّا

جنہوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی وہ ان
لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنا انعام کیا،

النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسَنَ أَوْلِيَّكَ رَفِيقًا ذَٰلِكَ لِفَضْلِهِ
وَكُفَىٰ بِاللهِ عَلِيمًا (۱۶۰: ۵)

یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ،
کیا ہی اچھا ہے اُن کا ساتھ، یہ اللہ کا فضل ہے
اور اللہ ہی کا جانا بس کرتا ہے۔

اور فرمایا:

وَأَعِثُّوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا
لَّا تَفَرَّقُوا مِنْ (۲: ۴۷)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، اور
باہم پھوٹ نہ ڈالو۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
مِّنْ كُلِّ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱۰: ۴)

جس نے اللہ کو مضبوط پکڑا، البتہ سیدھے
راستی کی ہدایت پائی۔

اور فرمایا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ
بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ حَبِيرٌ
أَحْسَنُ تَأْوِيلًا (۵: ۵۵)

اگر کسی بات میں تم باہم جھگڑا پڑو تو اس بات
میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو،
اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو،
یہ تمہارے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا
بَيْنَ يَدَيْ اللهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ
اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۱۳: ۲۶)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے بڑھ
بڑھ کے باتیں نہ بنایا کرو ہمہ وقت اللہ سے
ڈرتے رہو! اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مَوْمِنَةٍ إِذَا
قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ

کسی مسلمان مرد اور عورت کو شایاں نہیں کہ
جب اللہ اور اس کا رسول کوئی بات ٹھیرا دیں تو

الْحَيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَقِصْ اللَّهُ ذَرْوُ لَهُ فَقَدْ ضَلَّ صِلَا لَا تُبَيِّنُ.

اپنی مرضی کو دخل دے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، البتہ کھلی ہوئی مگر ہی میں پڑ گیا۔ (۲: ۲۲)

اور فرمایا :-

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَتَقْتِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ.

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب انکو خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے۔ کہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں بسر و چشم ہم حاضر ہیں یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ سحرے اور پرہیزگار ہو تو ایسے ہی لوگ مراد کو نہیں گئے۔ (۱۸: ۱۳)

اور فرمایا :-

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مِمَّا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ.

اے پیغمبر! کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو؛ لیکن اگر روگردانی کرو تو رسول پر اسکی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری؛ لیکن اگر اسکی اطاعت کرو گے ہدایت پاؤ گے، رسول کے ذمہ تو بس پیام کا پہنچانا ہی ہے۔ (۱۸: ۱۳)

اور فرمایا :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

اے رسول! کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْكٰفِرِيْنَ۔ (۱۲ : ۳)

کرے گا، تمہارے گناہ معاف کر دیگا، اللہ بڑا
غفور رحیم ہے، کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت
کر دو، اگر رد کر دانی کر دو گے تو یاد رکھو، اللہ
کافر و کفر کو پسند نہیں کرتا۔

گناہ جانیگا کہ دین کا قرآن و سنت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے،
یہ سچ ہے۔ لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن و حدیث سے احکام مستنبط
کرنے بیٹھیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے، ہم تو صرف علما سے مطالبہ کرتے ہیں
کہ دین کو اسکے اصلی حشر و شمسہ سے لیکر عوام کو بتائیں یہاں اجتہاد و استنباط کا سوا
ہی نہیں سنت نبوی بالکل صاف ہے، اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں، ہاں!
ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علماء پہلے اسکے خود متبع بنیں پھر عوام کے سامنے
آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے، فلاں بات نبیؐ نے یوں کی اور فلاں یوں، نبیؐ نے
نماز اس طرح پڑھی، پھر خود نماز پڑھ کے دکھائیں، نبیؐ نے وضو یوں کیا، اور خود وضو
کر کے دکھائیں، نبیؐ (صلعم) نے جو باتیں عمر بھر کہیں، خود بھی ہمیشہ کریں، اور جو کبھی
کہیں اور کبھی ترک کر دیں، خود بھی اسی طرح کریں۔ ظاہر ہے نبیؐ (صلعم) نے یہ سب
ہماری ہدایت کیلئے کیا تھا، ہم بھی دیسا ہی کریں، اور دیسا ہی عوام کو بتائیں، تاکہ
امت واقعی طور پر ہدایت یاب ہو، عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرنے علم و بصیرت کے
ساتھ کرے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ
عِنْدَهُ مَسْنُورًا (۱۵۱ : ۴) ہاں پس چیز کے پیچھے مت چل جسکا تجھ کو علم نہیں، کیونکہ ہر ایک
کان، آنکھ اور دل کے ہر فعل پر مواخذہ ہوگا۔

آخر میں اس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں، صبیح اسوۂ حسنہ نبویؐ
بوجہ حسن بیان کیا گیا ہے۔ میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں

واعظوں کو ہے کہ اس سے دغظ و ارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ خود اسے پڑھیں، اور جہاں تک ممکن ہو اسکی اشاعت کریں، تاکہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے، مشکلات راہ سے ہٹ جائیں، اور عام مسلمانوں کو کتب فقہ اور کتب متقدمین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔ ”فان تولوا فانما علیہ ما حمل، وعلیکہ ما حملتمہ دان تطیعوہ و تہتدرا“ وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔

”محمد الیوزید“

مقدمہ امام ابن قیمؒ

وب یسودا عن یاکریم و صلی اللہ علی سیدنا محمد الامین و علی آلہ
الاکرمین الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و لا عدوان الا علی الظالمین۔
قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہونگے: کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر
ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب "لا الہ الا اللہ" ہوگا، بشرطیکہ اسکی معرفت ہو، اسپر
ایمان ہو، اور اسکے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب "اشہدان محمد رسول اللہ" ہوگا بشرطیکہ
معرفت ایمان اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد ابن عبداللہ (صلعم) خدا کے بندے، رسول، وحی کے حامل، مخلوقات میں برگزین،
اللہ اور بندے کے مابین سفیر ہیں، آپ دین تویم، سراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کئے گئے، عالمین
کیلئے رحمت، متقین کیلئے امام اور تمام مخلوق پر حجت بنائے گئے، رسولوں کے خاتمہ پر تشریف
لائے، سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت، تمہیں لائے، اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف
پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپ کی اطاعت، توقیر، تعظیم اور محبت واجب کر دی، محبت
کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے رسول کی راہ کھلی رہنے دی کہ جسپر چل کر آدمی
دہاں پہنچ سکتا ہے، پھر آپ کا شرع صادر کیا، تمام اچکے، پھلے گناہ معاف کر دئے، اور
ذلت و خواری کی مہر ان پر لگا دی جو آپ کی مخالفت کریں چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث ہے
"عن ابی منیب الجرشی عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بعثت
بالسيف بين يدي الساعة حتى يعبد الله وحده لا شريك له وجعل رزقي تحت ظل
رحمي وجعل لذلة والصغار على من خالف أمری ومن تشبه بقوم فهو منهم" (فرمایا:

قیامت کے روبرو مجھے بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی پرستش کی جائے، میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا، ذلت و خواری اُن پر نازل کر دی گئی جو میری مخالفت کریں، جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے گویا اسی میں سے ہے۔

جس طرح ذلت مخالفوں کے حصّہ میں آئی، اُسی طرح عظمت و برتری مومنین کے حصّہ میں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ | نہ ہمت مارو نہ آزرده خاطر ہو، تمہارا ہی بول
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (۴: ۵۰) | بلا ہے اگر تم مومن ہو۔

اور فرمایا:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ | اللہ کے لئے غلبہ ہے، اسکے رسول کیلئے اور
مومنین کیلئے۔ (۱۳: ۲۸)

اور فرمایا:

فَلَا تَهِنُوا وَادْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ | بودے نہ جزو صلح کی طرف نہ بلاؤ، تم ہی غالب
الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ۔ (۸: ۲۶) | رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ | اے نبی! تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنین کے
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۲۱: ۱۰) | لئے اللہ کفایت کرتا ہے۔

رسول اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ مجھے اپنی ذات اپنی اولاد اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنالے۔ نیز خداوند عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول (صلعم) کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ قرار دے، پھر اسکے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی نہ ہو اور اسکے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَتَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (۲: ۲۲) دیں۔

پس مومن کیلئے حکم نبوی کے بعد حق نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے، کیونکہ حکم نبوی اہل مہمہ، کسی کیلئے جائز نہیں کہ اسکے سوا کسی اور کے حکم کی پیروی کرے۔ انا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی صلعم نے دیا ہے، اس صورت میں اس کی حیثیت گویا ایک مبلغ و خیر کی ہوگی، عالم کی نہ ہوگی، لیکن جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرنے، امت پر اسکا انبلاغ واجب نہیں یہاں تک کہ اسکے احکام اور اصول قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت نہ ہو جائیں، اگر مطابق ہوں، قبول کر لئے جائیں، مخالف ہوں، رد کر دئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلق چھوڑ دئے جائیں۔

فصل

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے فرمایا: "وَلَقَدْ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ" (تیرا رب وہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے)۔ مخلوق دو قسم کی ہے: طیب اور خبیث، اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیب ہی پر پڑتی ہے، اور ہمیں سے انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے، جو خدا کے ہاں سعید اور اسکی نظریں طیب ہے، دنیا میں اُسکا میلان طبع ہمیشہ طیبات ہی کی طرف ہوگا، اعمال دیکھو گے تو نظر آئیگا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا، اسکی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے، اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے، سب کے ساتھ اسکا برتاؤ وہی ہے جو ان سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا، اعلیٰ ترین اخلاق سے اُسکا نفس آستہ ہوگا

علم رحم، صبر، صدق، محبت، شجاعت، عفت، سخاوت، انسانیت، وقار، رواداری، قلب کی سلامتی، مومنین کے ساتھ فروتنی، دشمنانِ الہی پر نخوت و سختی، غرضکہ تمام محاسنِ اخلاق سے متصف ہوگا کہ جنکی تحسین پر تمام شرائعِ ربانی، فطرت اور عقولِ انسانی متفق ہیں۔ اسی طرح اکل و شرب میں اسکی رغبت طیب و حلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم و روح دونوں کے لئے مفید و مغذی ہوتا ہے۔ اسی طرح اسکے احباب و ہمنشین بھی اچھے ہی لوگ ہونگے۔ شربِ برد کی صحبت اُسے پسند نہ آئیگی، غرضکہ اسکا وجود ہی اسکے طیب و طاہر ہونے کی خبر دیکھا، خبث و کثافت کا ایک شمع بھی اس میں نہ پایا جائیگا۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں آیا ہے :

جنکی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ طیب و طاہر ہوتے ہیں تو فرشتے ان سے بڑے تپاک سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو، جنت میں داخل ہو، ان اعمال کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔	الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمَا الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمَا ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ - (۱۰ : ۱۲)
--	--

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے :

سلامتی ہو تم پر، تم پاک ہو پس جنت میں ہمیشہ خالیدین۔ (۵ : ۲۴)

اور اسی طیبِ خبیث کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے :

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے طیب عورتیں طیب مردوں کیلئے اور طیب مرد طیب عورتوں کے لئے۔	الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ - (۹ : ۱۸)
---	---

پس طیب الفاظ، اعمال اور عورتیں اپنے مناسب حال طیبین کیلئے ہیں، اور خبیث الفاظ، اعمال اور عورتیں خبیثوں کیلئے ہیں، طیبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے طیب و طیبات کیلئے جنت مخصوص کی ہے، اور خبیث و خبیثات کا ٹھکانا جہنم کو قرار دیا ہے یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح اُنکے ٹھکانے بھی دو ہیں: ایک جنت جہیں طیب ہی طیب ہوگا، خبیث کا وہاں گزرنہیں۔ دوسرا دوزخ، جو صرف خبیث کا مقام ہے، طیب کا داخلہ اس میں محال ہے۔ لیکن ان دونوں مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے جس میں خبیث و طیب دونوں ہی رہتے ہیں۔ اور وہ مقام ہی دارِ دنیا ہے جس میں نہ طیبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی، دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں چونکہ دنیا کی کیفیت یہی ہے اسی لئے حکمتِ الہی نے اُسے ابتلاؤں امتحان کا مقام بنا دیا ہے، یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں اور عمر بھر پر رکھے جاتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لیکر رب العزت کے حضور میں پہنچیں، اس وقت پر در در کا عالم طیب کو خبیث سے جدا کر دیگا، طیبین اپنے مقام جنت میں پہنچا دئے جائیں گے جہاں اُنکے سوا اور کوئی نہ ہوگا، خبیثین اپنی تمام نجاستوں و کثافتوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے جہاں اپنے علاوہ کسی کو نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی ہذا و سزا خود انہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے، طیبین کے اقوال و اعمال و اخلاق بعینہ اُنکے لئے جنت کی لذتیں اور نعمتیں بن جائیں گی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسبابِ راحت و سرور متیار کر دیگا۔ اسی طرح خبیثین کے اقوال و اعمال و اخلاق اُن کے حق میں کانٹے ہونگے اور انہیں سے انواع و اقسام کے آلام و مصائب پیدا ہو جائیں گے۔ اُس آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے! اس طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیت، کمال حکمت، علم، عدل اور مظاہرِ رحمت دکھاتا ہے، تاکہ اُسکے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مغتری و کذاب تھے نہ

اُسکے پاک اور سچے رسول! فرمایا!

وَاقْضُوا بِاللّٰهِ جَهْدًا يَّمْكُاَ يَمْلَ لَا
يَبْعَثُ اللّٰهُ مَن يَمُوتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ
حَقًّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ
لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَاٰفُوْا
كَافٍ بَیِّنٌ - (۱۴ : ۱۱)

انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ اُسے
پھر نہ اٹھائیگا جو مر گیا، نہیں، ضرور اٹھائیگا
یہ اُسکا سچا وعدہ ہے، لیکن اکثر آدمی نہیں
جانتے، اسلئے اٹھائیگا تاکہ کھول دے وہ
چیز جس میں باہم حجت کرتے تھے اور تاکہ کفار
جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔

غرض کہ مخلوق میں کچھ طہیتین ہیں کچھ خبیثین، کچھ سید ہیں کچھ شقی، دونو کیلئے علامتیں اور
نشانیوں ہیں جنکے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جسکے قلب، زبان اور اعضا
دو جوارح سے خبیث و نجاست پڑی ہوتی ہے، طہیت وہ ہے جسکے قلب، زبان اور اعضا دو
جوارح سے طہارت کا فوارہ چھوٹا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں
طہیت و خبیث دونو مائے پائے جاتے ہیں، ایسی حالت میں انسان اُس فریق میں ہو جاتا ہے
جسکا مادہ بعد کشمکش کے بالآخر دوسرے مادہ پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ
بہتری منظور ہوتی ہے، موت سے پہلے اُسے خبیث مادہ سے پاک کر دیتا ہے، چنانچہ مرد
قیامت وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے
کیونکہ اُس میں کوئی میل تورہنا ہی نہیں جسکی تطہیر کیلئے اُسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔ اللہ
تعالیٰ کا جسے پر فیض اُس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اسکی جناب سے نیکی، اطاعت و توبہ
نصوح اور کفارہ کرنے والی حسنات کیلئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس بد نصیب کے شامل حال
فضل الہی نہیں ہوتا، خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک
اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا
دیا جاتا ہے، کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا، اسکے

لئے ضرور ہوتا ہے کہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جو نہی تنقیہ و تصفیہ ہو جاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاہدت اور اہل جنت کی صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کیلئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کر لیں، ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہو جاتے ہیں، جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پُر معن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے، ”جَزَاءُ وَكَافًا“ ”وَمَا دُرُوبُكَ بِظُلَامٍ لِّلْعَبِيدِ“

را مشرک اتو چونکہ اسکی جبلت خبیث اور اسکی ذات خبیث ہوتی ہے اس لئے جہنم بھی اسکی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی، وہ کتنی ہی مدت رسے، خبیث ہی رہیگا، اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو جب بھی خبیث رہیگا، اسکی مثال کتے کی مانند ہے جسے لاکھ غسل دو، ناپاک ہی رہیگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے۔

برخلاف اسکے مومن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے، کیونکہ وہ دوسرا سر طہارت ہی ہے، اُس میں خبث کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ جسکے ازالہ کیلئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔ ”فَسُبْحَانَ مَنْ بَهْرَتْ حُكْمُهُ الْعُقُولَ دَلَالِ الْبَابِ“

فصل

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے، کیونکہ طیب و خبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپ ایک میزان حق ہیں، آپ ہی کے اقوال و اعمال و اخلاق پر تمام اقوال و اعمال و اخلاق تو لے جاتے ہیں۔ انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے بخوبی واقف ہو، تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپ کے نقش قدم پر چل کر سعادت و نیویٰ اخروی سے شاد کام ہو۔ والسلام۔

نسب نامہ (رسول خدا صلعم)

آپ کا حسب نسب اعلیٰ و اشرف آپ کی قوم اشرف آپ کا قبیلہ اشرف اور آپ کا خاندان اشرف آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد منات بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں یہاں تک سلسلہ نسب متعلق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ و تابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

ولادت باسعادت

ولادت عام فیل تھیں ہوئی، واقعہ فیل درحقیقت اس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ کی ولایتی غیر ذی ررع میں جلوہ گر ہونے والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور ان کا مذہب مکہ کے بت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح میں عطا فرمائی جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اس واقعہ کے ذریعہ خانہ کعبہ قریش اور مکہ کی بزرگی مستحکم ہو جائے جس میں عنقریب اُسکے نبی کا ظہور

آئی یعنی ۱۲ھ، عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے، واقعہ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یہاں کے کھیسائیوں نے جشی ہزار ابرہہ ابن الاسود کی سرکردگی میں خانہ کعبہ کے ڈھانے کیلئے مگر پرفوج کشی کی، مگر کامیاب نہ ہوئے، عذاب الہی میں ڈر کر برباد ہو گئے، سترہ فیل میں ہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے تفسیر بارہویج کی ہے کہ چڑیاں، صحابیل پر کنکریاں گراتی تھیں، جس پر کنکری گرتی تھی، چیمپک کے مرن میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیمپک ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔ (ابوزید) متروک کتاب اتنا فاضل اور کتا ہے کہ ٹھیک ایسی زمانہ میں طور سینا اور علاقہ سوہرہ میں چیمپک کی بیماری پھیل ہوئی تھی، بہت ممکن ہے کہ کوئی بڑی آدمی اس علاقہ سے چڑیوں کو اٹائیگی ہو جو اپنے ساتھ چیمپک کے جراثیم پر کنکریوں میں لپیٹی ہوں تاکہ اللہ کے حکم سے ان ظالموں کو برباد کریں۔

ہونے والا تھا۔

بچپن اور شباب

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مانتا سے بھی محروم ہو گئے، والد کی وفات مکہ و مدینہ کے مابین مقام ”ابواء“ میں ہوئی جبکہ مدینہ میں آپ کے ماموں کے گھر سے واپس آرہی تھیں، دادا عبدالمطلب نے گود میں اٹھایا، لیکن ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ آخر ابوطالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لیگئے، اسی سفر میں بحیرہ راہب کی دُور بین نظریں پڑیں اور اُس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ آپ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کارواں لیکر شام کا پھر سفر کیا، شہر بصری تک گئے، واپسی میں حضرت خدیجہ بنت خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہ پہلی خاتون ہیں جنہیں آپ کی زوجیت کا ثمر حاصل ہوا، اور اہمات المومنین میں سب سے پہلے اپنے خدا سے جا ملیں۔ جب تک زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہ کی، اُن کیلئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبریل کے واسطے سے انہیں سلام کہلا بھیجا!

خلوت پسندی

سال پر سال گزرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپ تنہائی پسند ہو گئے، حرا کا سنسان غار مونس دہرم ہو گیا جس میں کئی کئی رات اور دن مسلسل تدبیر لے لیکن جہلانے مکہ کے قبرستان ”مطے“ میں ایک قبر بنا رکھی ہے جسے ”قبر سیدتنا آمنہ“ کہتے ہیں، ہر پنجشنبہ کو جو جو زیارت کو جاتے ہیں، حلاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب ٹوٹا جاتا ہے۔ (مترجم)

وتفكر وعبادتِ باری تعالیٰ میں منہمک رہنے لگے۔ بتوں سے نفرت تھی، آباؤی دین کے عداوت کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے۔

نبوت

جب چالیسواں سال ختم ہوا، غار حرا میں آفتابِ نبوت طلوع ہوا، تاج رسالت فرقِ مبارک پر رکھا گیا، اور تمام مخلوق کیلئے پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے۔ سب متفق ہیں کہ بعثتِ دو شنبہ کے دن ہوئی، صبح کی تیسین میں اختلاف ہے، مگر رحمان اسی جانب ہے کہ ۸۔ ربیع الاول ۱۲۰ عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے۔ بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں اور آیت ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ (ماہ رمضان میں قرآن نازل کیا گیا) سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسامِ وحی

وحی الہی کئی صورتوں سے آتی تھی: (۱) رؤیائے صادقہ۔ وحی کا آغاز اسی سے ہوا، خواب دکھائی دیتے۔ اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔ (۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں الفا کرتا۔ جیسا کہ خود فرمایا: ”ان روح القدس نفث فی روعی“ (۱) انہ لن تموت نفس حتی تستكمل رزقہا“ فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوه بمعصیۃ اللہ: فان ما عند اللہ لا ینال الا بطاعته“ (روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مرنے نہیں سکتا جب تک اپنی روزی پوری پوری نہ پالے، پس اللہ سے ڈرو، طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستہ سے اسے حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو ہر صورت اسکی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے)۔ (۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار ہوتا اور وحی پہنچاتا، اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔ (۴) گھنٹی کی آواز کی طرح آتی۔ یہ وحی آپ پر بہت سخت ہوتی، حتیٰ کہ کڑا کے کی سردی میں بھی پیشانی پر حق رزق

متفق ہیں، چنانچہ عثمان بن سعید دارمی نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

مختون و مسرور

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں۔ (۱) آپ پیدائشی مختون مسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے، لیکن اس ناب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے وہ بھی غیر صحیح ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کی ہے، باقی اور جتنی حدیثیں ہیں انکی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص مزینت بھی نہیں، بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اُس دن ہوا جب علیہ دانی کے ہاں ملائکہ نے شق صدر کیا۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپ کے دادا عبد المطلب نے ختنہ کیا، اس تقریب پر دعوت بھی کی، اور محمدؐ نام رکھا۔ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کی گئی ہے، اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن النیرم میں مناظرہ ہوا، اول الذکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر گئے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے، مگر آخر الذکر نے تردید کر دی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا، چونکہ یہ رواج عام تھا اسلئے ثبوت کیلئے کسی سند کی ضرورت نہیں، مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہئے۔

رضاعی مائیں

آپ کو متعدد دھرتوں نے دودھ پلایا۔ ثویبہ کینز الوہب۔ چند دن دودھ پلایا، اس دودھ میں آپ کے شریک عبد اللہ بن عبد اللہ الشاذلی المخرومی، مسروح بن ثویبہ اور آپ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ پھر علیہ سعید نے دودھ پلایا جس میں آپ کے شریک عبد اللہ بن علیہ، آپ کے چچیرے بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب (بقیہ ماضیہ صفحہ ۳۲) ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا تو نے اُسکا پیغام ہی نہیں پہنچایا، اللہ تجھے لوگوں کے شر سے

تھے جو آپ کے سخت دشمن تھے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ نیز حضرت حمزہؓ کی اتانے بھی آپ کو دودھ پلایا۔ جو قبیلہ سعد بن کبر سے تھیں، یہ اس وقت جبکہ آپ علیمہ سعدیہ کے ہاں تھے، اس طرح حضرت حمزہؓ آپ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے۔ علیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کھلائیاں

آپ کی کھلائیاں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمنّا بن زہرہ بن کلاب۔ پھر ثویبہؓ، علیمہؓ، اشیمہؓ، آپ کی رضاعی بہن کہ جو وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اپنی چادر ان کیلئے بچھادی، فاضلۃ الجلیلہ امّ امین برکتہ الحبشہ جو آپ کو والدہ سے ورثہ میں ملی تھیں، انکی شادی آپ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کر دی تھی، انہی کے بطن سے اسماءؓ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی صلیم کا وصال ہوا تو ابو بکرؓ و عمرؓ امین کے گھر گئے، وہ بیٹھی رہ رہی تھیں، تسکین دینے لگے کہ ”اے امّ امین! جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ رسول کیلئے اس دنیا سے بہتر ہے“ کہنے لگیں ”میں بھی جانتی ہوں، میں اس غم میں رد رہی ہوں کہ اب آسمان کی خبریں آنا بند ہو گئیں“ یہ سن کر دونو صحابیوں نے پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

اولین وحی

وحی کا آغاز رؤیا ئے صادق سے ہوا، روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی، اسکے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے، فارحرا میں گوشہ نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ (ت) حضرت عائشہؓ و جہور صحابہ کا یہی قول ہے اور صحیح ہے، حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی ”يَا أَيُّهَا الْمَدِينَةُ“ تھی۔

لیکن بعضوں کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی، ہم ان تمام اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے

ترتیب دعوت

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی، آغاز گھر سے کیا، سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی، پھر قوم کو، پھر عربوں کو کہ جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا، پھر قیامت تک اُن تمام قوموں کیلئے اُسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے، جب آیت "فَاصْبِرْ بِمَا تَوَدُّ مَرْءٌ عَنِ الْمُنْكَرِ لَئِنْ (۶:۱۵۷)" پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور جاہلوں کی پرواہ نہ کرو" نازل ہوئی تو علی الاطلاق حق کی طرف پکارنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دیکھی۔

دو ہجرتیں

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا، اور اہل اللہ کو ابتلاؤں امتحان میں ڈالنا شروع کیا۔ جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا: وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جسکے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا، چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں رقیہ بنت رسول اللہ اور اُنکے شوہر عثمان بن عفان بھی تھے۔ یہ لوگ حبش میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جمہوری خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا، یہ سنکر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا، قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) ہیں کہ اولیت اضافی قرار دیں، اس سورت میں سورہ فاتحہ اولین وحی ہوئی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپ وحی سے مانوس اور اسکے سننے کیلئے تیار ہوں، اسکی تائید آپ کے اُس جواب سے بھی ہوتی ہے جو درقرین نوفل کو دیا تھا کہ "میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں، اَمْرًا سے اہل وحی کا آغاز ہوا جبکہ جبریل نے سینہ سے لگایا کہ تم وحی کیلئے استعداد مکمل ہو جائے۔

یَا أَيُّهَا الْمَدَّيْنُ" اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے نازل ہوئی، یا یہ کہ تبلیغ کیلئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید) +

مسلمان ہونیکے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اسپر بعض لوگ پھر حبش واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے جہاں قریش نے انہیں بُری طرح ستایا، انہیں ایک عبداللہ بن مسعود بھی تھے۔ قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کیلئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا، آخر آنحضرتؐ نے پھر ہجرت کا حکم دیا، اس مرتبہ ۸۲ مرد اور سات عورتیں حبش روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہل مکہ نے سنا تو سخت برہم ہوئے اور عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے برخلاف اُسے اگسائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتغال ہوا، اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی ”شعب ابیطالب“ میں جا کر پناہ لیں چنانچہ آپ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو آپ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اٹھنے کے وقت سن مبارک ۴۹ برکات تھا (اور ایک قول کے مطابق ۴۸ سال کا) اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپ کے مہربان چچا ابوطالب کا انتقال ہوا، پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی، ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کے پریشانی کیا۔ تنگ آ کر آپؐ یہ بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لیگئے جہاں چند دن قیام رہا اور پیغامِ حق سنایا مگر ایک متنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہل مکہ سے زیادہ قسّی القلب ثابت ہوئے، جب آپؐ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونو طرف دو صفیں اوباشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو سنگسار کرتی تھیں، آپؐ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی تکیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی جو مشرت باسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام ”خلد“ پر نصیبین کے سات جنوں نے آپؐ سے قرآن سُنا، اور اسی سفر میں آپؐ پر وردگاد

سے بعد زاری مناجات کی کہ ”اللہم الیک اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی“ (الہی! میں تجھی سے اپنی بیکسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں)۔

مکہ میں داخلہ مطہم بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اسکے بعد معراج ہوئی، پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے، پھر ملاء اعلیٰ کی طرف صعود ہوا، جہاں رب العزت سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر زکھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی، بعضوں کا خیال ہے کہ حالت خواب میں ہوئی تھی۔

دین حق کی ترقی

طاقت کی واپسی کے بعد آپ برابر مکہ میں مقیم رہے، ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا، سب کچھ سستے تھے، مگر دعوت حق سے منہ نہ موڑتے تھے، آپ کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے، دعوت دیتے اور فرماتے ”کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے، تاکہ میں خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟“ مگر کوئی شنوائہ نہ ہوا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے دین کو غلبہ دے، اپنا وعدہ پورا کرے، اپنے نبی کی مدد کرے، اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے، تو اس کیلئے ایک غیر متوقع سامان کر دیا۔ ایک حج میں آپ انصاریوں کے پڑاؤ پر تشریف لیگے، وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ) عقبہ بنی کے پاس بیٹھے سرمنڈا رہے تھے، سردیر عالم بھی قریب بیٹھ گئے، دعوت حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ اُنکے دل نرم ہو گئے، مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے، یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی، انصاریوں کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ اور اُسکے رسول کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی، مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں

اور مسجد قبلی کی بنیاد ڈالی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا، نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا، اترے سب مسلمانوں کو جمع کیا جنگی تعداد دہاں ایک سو تھی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے، لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کے آتے اور اونٹنی کی ہمار کپڑے کے ہمانی پیش کرتے، جواب ملتا: پھوڑ دو! اسے حکم مل چکا ہے، چنانچہ وہ چلتے چلتے اُس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل و سہیل کے جائزہ دین کا اصل بل تھی۔ آپ اُتر پڑے اور ابی ایوبؓ انصاری کے مکان میں ٹھوکرش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی، کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی، خود سرد عالم اور صحابہؓ دیواریں اٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا، پھر قرب وجوار میں ازدواج مطہرات کے حجرے، جن میں آپ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا۔ سات ماہ بعد ابی ایوبؓ انصاری کے ہاں سے اٹھ کر اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبریں حبش پہنچیں تو ۳۳ مہاجر مدینہ کو چلے، جن میں سے سات توابل مکہ کے اہل تھیں، پڑ کر قید ہو گئے، باقی خدمت نبویؐ میں پہنچ گئے۔ ہجرت کے وقت عمر مبارک ۵۳ برس کی تھی۔

آپ کی اولاد

سب سے بڑے قاسم، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر عبد اللہ علیہم السلام، یہ سب کے سب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے تھے، کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی، البتہ آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں شہہ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے، لیکن حالت شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کی تمام اولاد آپ کی حیات ہی میں فوت ہوئی، مگر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں، اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں!

آپ کے چچا اور پھوپھیاں

آپ کے چچا یہ لوگ ہیں: سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب، عباسؓ، ابوطالبؓ، ابولہبؓ، زبیرؓ، عبد الکعبہؓ، مقومؓ، صرارؓ، قثمؓ، منیرہؓ، عیدانؓ، بعضوں نے عوامؓ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں بجز حمزہؓ و عباسؓ کے کوئی مسلمان نہ ہوا۔

آپ کی پھوپھیاں یہ ہیں: صفیہؓ (حضرت زبیر بن العوام کی والدہ) عاتکہؓ، برةؓ، اردیؓ، امیمہؓ، ام حکیم البیضاء۔ صفیہؓ کا اسلام محقق ہے، عاتکہؓ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعضوں نے اردیؓ کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے۔

اہل المؤمنین

سب سے پہلی خدیجہؓ بنت خویلد القرشیہؓ ہیں، نبوت سے پہلے زوجیت میں آئیں، اس وقت عمر ۴۰ سال تھی، مگر انکی زندگی بھر آنحضرتؐ معظم نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنہوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کے بارگراں اٹھانے میں رسول خداؐ کی مدد کی، آپ کے ساتھ مصائب برداشت کیں، اور جان و مال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد سوڈہ بنت زمعہ القرشیہؓ شادی کی، انہوں نے بعد کو اپنا دل حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔ پھر عائشہؓ صدیقہ بنت ابی بکر الصدیقؓ (رضی اللہ عنہا) سے عقد کیا۔ سلمہؓ میں پیدا ہو آئیں، ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دو شیرہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہمعصرات میں رسول خداؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، سب سے زیادہ ذی علم تھیں، بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے، آپ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ کی طہارت و برأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے! پھر حفصہؓ بنت عمر بن الخطابؓ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کی، ابوداؤدؓ نے روایت کی ہے کہ آپ نے انہیں طلاق دیدی تھی، مگر پھر

رجوع کر لیا تھا۔ انکے بعد زینب بنت خزیمہ بن الحارث القیس یہیں جوشادی سے دو ماہ بعد فوت ہو گئیں۔ پھر ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ القرشیۃ المخزومیہ سے شادی ہوئی جو ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ زندہ رہیں۔ پھر زینب بنت جحش (قبیلہ بنی اسد) سے شادی کی، یہ آپکی چھو پھیری بہن یعنی اسیمہ کی بیٹی تھیں، انہیں کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْنًا وَمِنهَا طَرًا ۖ وَجَنَّا كَهَا“ وہ اسپر فخر کیا کرتیں، اور دوسری بیبیوں سے کہتیں ”تمہیں تمہارے مانا پ نے بیاہا ہے“ مگر میرا رشتہ خدا اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے! اوائل خلافت عمرؓ میں انتقال کیا، پھر جوینہ بنت حارث سے شادی کی، جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں، جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کیلئے حاضر ہوئیں، آپ نے فدیہ ادا کیا اور عقد کر لیا۔ پھر ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان صخر بن حرب ہیں، جو عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں

۱۵۔ پوری آیت سورہ احزاب میں اس طرح موجود ہے: ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْنًا وَمِنهَا طَرًا ۖ وَجَنَّا كَهَا لَئِكَ يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَزْوَاجِهِمْ لَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَ طَرًا ۖ وَ كَانَ اَسْرَ اللّٰهِ مَقْعُوْدًا“ جب زید اس سے سیر ہو گیا ہم نے تجھ سے اسکی شادی کر دی، تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے لوگوں کی عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے جبکہ وہ ان سے سیر ہو جائیں، عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لوگوں اور بے پالگوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہو سمجھتے تھے، زید بن حارثہ آپ کے منہ بولے لڑکے تھے، انکے ساتھ آپ نے زینب بنت جحش کا عقد کر دیا تھا جب دونوں کسی طرح ذہبی اور زینب نے طلاق دیدی تو خود اپنے ان سے شادی کر لی، تاکہ یہ جاہلانہ رسم ہل جوبلے، اس طرح دوسری ازواج سے عقد کریں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، جیسا کہ کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، دشمنان اسلام ہیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرتؐ کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں، آپ وہ شہینازوں کو چھوڑ کر بوڑھیوں سے کیوں شادی کرتے، پھر حضرت عائشہؓ کے کوئی وہ شہینہ نہ تھی، اور اکثر پچاس کے سن سے تجاوز تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہیشہ نے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ وَمِنْ بَعْدِ وَلَا اَنْ تَبْدَلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَلَوْ اَفْجَيْتَ عَنْهُنَّ لَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا“ (اے نبی! تیرے واسطے اب اسکے بعد نئی عورتیں جائز نہیں نہ موجودہ عورتوں کو دوسری عورتوں سے بدلنا جائز ہے اگرچہ ان کا حسن تجھے بھائے، صرف تیری گیر بس اس سے مستغنی ہیں، اللہ ہر چیز کو خوب دیکھتا ہے) (ابوزید و مترجم)۔

تھیں، دونوں نے حبشہ ہجرت کی، شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی۔ مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو انکی شادی کیلئے کہا، نجاشی نے خود ہی مہراں کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ انکے بعد صفیہ بنت جحش بنی اخطب سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپ کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپ نے آزلو کر دیا اور اس آزادی کو مہر قرار دیکر عقد کر لیا، جسکے بعد یہ سنت پوری امت کیلئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اسکی آزادی کو مہر قرار دیدے اور شادی کر لے۔ پھر یمونہ بنت حارث الملالیہ سے شادی کی، یہ آخری شادی تھی۔

آپ کے غلام اور کنیزیں

آپ کے غلاموں میں سے زید بن حارثہ آپ کے محبوب ہیں، جنہیں آپ نے آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز ام ایمن سے شادی کر دی تھی۔ جن سے اُسائہ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپ کے غلام ہیں: اسلم، ابورافع، ثوبان، ابوبکثہ سلیم، شقران صلح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کر کرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ ابن فروخ، دان کا اصلی نام مہراں تھا، آنحضرت نے "سفینہ" نام رکھا کیونکہ سفر میں اسباب اٹھا کر چلتے تھے، ابومشروع انیسہ، افلح، عبیدہ، طحمان، حنین، سندر، فضالہ۔ کنیزوں میں: سلمیٰ ام رافع، یمونہ بنت سعد، خضیرہ، رضوی، ریشمہ، ریکانہ ہیں۔

آپ کے خدام

انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود (نعل و مسواک بردار)، عقبہ بن عامر الجہنی (آپ کا خچر سفر میں چلاتے تھے)، اسلم بن شریک (ادنیٰ کے محافظ)، ابوذر غفاری، امین عبیدہ، بلال بن رباح الموزن، سعد (یہ دونو حضرت ابوبکر صدیق کے غلام تھے)۔

آپ کے محرز

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عاصمؓ بن مہیرہ، عمرؓ بن العاصؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہؓ

جسے خط بھیجا تھا، چنانچہ خود امام سلمؑ نے اپنی ”صحیح“ میں روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جسکے خازنہ کی نماز آپ نے پڑھی تھی، محمد ابن حزم کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں آنحضرت کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔

»حذیب بن خلیفہ البکلی قیصر روم کے دربار میں گئے، جسکا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہو جانیکے اس سعادت سے محروم رہا۔ ابو حاتم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ قصہ یوں روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیصر روم کو خط بھیجنے لگے۔ تو مخاطبین سے فرمایا ”کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لیجائے اور معاذ میں جنت لے لے؟“ ایک شخص نے سوال کیا ”اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟“ فرمایا ”اگرچہ وہ منظور نہ کرے“ چنانچہ وحیہ خط لیکر روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کیلئے آ رہا تھا، راستہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے خط قرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا ”خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے، میں پناہ دیتا ہوں“ وحیہ سامنے آ گئے اور کہا ”میں لایا ہوں“ قیصر نے کہا ”جب قیام کروں حاضر ہونا“ روایت ہے کہ پھر وحیہ پہنچے، قیصر نے محل کے پھاٹک بند کرادئے۔ اور حکم دیا کہ منادی کر دو۔ ”قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمدؐ کی پیروی قبول کر لی؛ یہ سُننے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے وحیہ سے کہا ”تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے“ پھر اعلان کر دیا: ”لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا“ ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ ”میں مسلمان ہوں“ نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سُن کے آپ نے فرمایا ”دشمن خدا جھوٹا ہے، ہرگز مسلمان نہیں، اپنی عیسائیت پر جبا ہوا ہے“ اور دینار تقسیم کر دئے۔

عبداللہ بن حذافہ السہمی کسری کے دربار میں گئے جسکا نام ابرو دیز (پرویز)

ابن ہریر بن ابوشراہ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، حضور کو خبر پہنچی تو صرف اس قدر فرمایا ”خدا اس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے“ چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔

حاطب ابن ابی بلتعہ، مغوقس شاہ مصر کے دربار میں گئے، اس کا نام جریح بن مینا تھا، یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا، فطرت کا نور چمکا مگر مٹا گل ہو گیا، اسلام لاتے لاتے رہ گیا، لیکن رسول اللہ کی خدمت میں بہت سے ہریے بھیجے، جنہیں ماریہ قبطیہ اور ان کی دو بہنیں ”سیرین“ و ”قیسیرین“ بھی تھیں، ماریہ کو حضور نے اپنی خدمت کیلئے قبول فرمایا اور سیرین حسان ابن ثابت کو دیدی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز، سوشقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بھورا خچر (دلدل)، ایک بھورا گدھا (عقیر)، ایک خواجہ سرا (بابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے۔ ایک گھوڑا (لزاز)، ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہ بھیجا۔ رسول اللہ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا ”نبیث نے سلطنت کو ترجیح دی حالانکہ وہ رہنے والی نہیں!“

شجاع بن وہب الاسدی کو شاہ بلقاء حارث بن ابی ثمر الغسانی کے ہاں، اور سلیط بن عمرو کو رئیس یامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا، آخر الذکر نے قاصد کا پُر تپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا، اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ بن انال الحنفی سے ملنے گئے جو انہیں کے اثر سے بعد کو اسلام لے آیا۔ یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۳ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف

میں روانہ فرمائے، عمرو بن العاص کو جیفر و عبد ابن جلدی کے ہاں عمان بھیجا، دونوں کے دونوں مسلمان ہو گئے، آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضاء کے انتظامات میں عمرو کو ہر طرح کے اختیارات دیدئے، چنانچہ عمرو ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ وفات نبویؐ کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علاء بن الحضرمی کو شاہ بحرین منذر بن سادوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔ ہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو عارض بن عبد کلل الحمیری کے پاس میں بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کر دوں گا! ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کیلئے میں بھیجا جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دئے اور سب کے سب بلا کسی جبر و اکراہ اور جنگ کے جو حق مسلمان ہو گئے۔ یسٰنؓ کو انکی طرف روانہ فرمایا۔ اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے یمینیوں سے ملے۔ جریر بن عبد اللہ البجلی کو ذوالکلاع الحمیری اور ذومعر کے پاس دعوت اسلام دیکر روانہ کیا، دونوں کے دونوں مشرف باسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔ عمرو بن امیہ الضمری کو خط دیکر مسیلحہ کذاب کے پاس بھیجا، پھر دوسرا خط سائب بن عوام (حضرت زبیرؓ کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا، مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ فروہ بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہ نبوتؐ میں بھیجے۔

مؤذن

آپ کے مؤذن چار تھے، دو مدینہ میں رہتے تھے، ایک قبا میں، اور ایک مکہ میں۔ مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی، جو اسلام میں سب سے اول مؤذن ہیں، اور عمرو بن ام مکتوم القرشی (نا بیٹا) قبا میں سعد القراط (عمار بن یاسر کے غلام) اور مکہ میں

اوس بن مغیرہ الجحی (ابو محذورہ) تھے۔

عثمان

آپ نے متعدد عمال (گورنر) سے کام لیا ہے : باذان بن ساسان۔ کسری کی طرف سے یمن کے گورنر تھے، اسلام لے آئے تو آپ نے عہدہ پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے، انکے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لڑکے کو صنعاء کا گورنر مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالد بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔ حجاج بن ابی امیہ المخزومی کو کندہ اور صفد کا حاکم مقرر کیا، مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت کا وصال ہو گیا، اس لئے روانگی ملتوی ہو گئی اور حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔ زیاد بن امیہ انصاری کو "حضرت موت" کا، ابو موسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا، ابوسفیان صخر بن حرب کو نجران کا، انکے بیٹے یزید کو تبما کا، عتاب بن اسید کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر حضرت علیؓ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا۔ عمرو بن العاص کو عمان اور اسکے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ انکے علاوہ بکثرت آدمیوں کو صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا، ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹۰ موسم حج کا والی حضرت ابوبکرؓ کو بنایا، پھر فوراً حضرت علیؓ کو سورۃ براۃ سنانے کیلئے مکہ بھیجا۔

محافظ

تعدد صحابی آپ کی حفاظت کیلئے متعین تھے، چنانچہ سعد بن معاذ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جبکہ آپ سو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہ نے جنگ اُحُد میں حفاظت کی، زبیر بن العوام نے جنگ خندق میں۔ عباد بن بشر آپ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن

جب آیت ”وَاللّٰهُ يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ“ (خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا) نازل ہوئی تو آپ برآمد ہوئے، لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

شعراء

آپ کے شعراء: کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، اور خطیب ثابت بن قیس بن شماس ہیں۔

حدی خوان

سفر میں آپ کے حدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبداللہ بن وحشہ، انجشہ، عامر بن الاکوع، اور انکے چچا مسلم بن الاکوع تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت مسلم کے پاس انجشہ نامی ایک خوش آواز حدی خوان تھا، ایک مرتبہ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے، عورتیں بھی ساتھ تھیں، آپ نے فرمایا: ”انجشہ! ہوئے ہوئے، شیشے ٹوٹ نہ جائیں“ شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

ہتیار اور گھر گرتی

آپ کے پاس تو تلواریں تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ”ذوالفقار“ تھی، یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اسپر جا بجا چاندی چڑھی ہوئی تھی، سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں جن میں ایک کا نام ”فتح“ اور دوسری کا ”زلوق“ تھا۔ پانچ نیزے تھے، تین لوسہ کی چھڑیاں (حربے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لیکر نکلتے، عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لیکر آگے آگے چلتا، اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے ناز پڑھتے۔ دو خود تھے ایک کا نام ”موشخ“ رکھا تھا اور دوسرے کا ”مسیبوع“۔ تین جبے تھے جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ میں سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد، سیاہ اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی

تھا جسکا نام ”کن“ تھا۔ ایک خمیدہ جریب تھی جسے لیکر چلے اسپر سہارا دے کر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا لیتے تھے۔ دو پیالے تھے، ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ ایک تیل دانی تھی۔ ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ، لنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔ بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چار پائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ ایک بہت بڑا گنڈا تھا، جسکا نام ”غراء“ تھا اس میں چار گنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی ٹکے اٹھاتے تھے۔ ایک فرش تھا۔ ایک لکڑی کا برتن تھا جو چار پائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ آپ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں جن کی تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا ایک بکری ذبح کر ڈالتے۔ جنگ بدر میں آپ کو مال غنیمت میں ابو جہل کا مینہ اونٹ حاصل ہوا تھا جسکی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی، حدیبیہ کے موقع پر اسی کو قربانی کیلئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

لباس

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے۔ عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے عامر بن عبد اللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلع کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اسکا شملہ پشت پر۔ لیکن جابر بن عبد اللہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اسکی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستینوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ، قبا، تہ بند، چادر اور بعض دوسرے

قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔

حَلَّہ سُرخ بھی پہنا ہے، حَلَّہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر سُرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا، بلکہ حَلَّہ یامانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سُرخ و سیاہ تاگوں کو ملا کر بُنا جاتا تھا، اس کا رنگ اگرچہ سُرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سُرخ ہی تھا۔ خالص سُرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سُرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے (بخاری) ابو داؤد نے عبد اللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (عصفرا زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہننے دیکھا تو فرمایا: ”یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے؟“ عبد اللہ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپ نے ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ فوراً گھر آیا، متور جل رہا تھا، میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے ”عبد اللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے؟“ میں نے واقعہ بیان کر دیا، فرمانے لگے ”اپنی بیوی کو کیوں نہ دیدیا؟ عورتوں کیلئے اسکے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔“

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے، فروہ بھی کہ جسکے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ خُف (جرمی ہونے) اور جوتا پہنا ہے۔ صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیلسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہ نکالا جو دیباچ کی طرح نرم تھا اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، پھر فرمایا: ”یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، انکے انتقال پر میں نے لیلیا، آنحضرتؐ اسے پہنا کرتے تھے۔“ آپ کا گِر نہ سوت کا ہوتا، طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں، یہ لمبی چوڑی تھیلوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں لے مینی پوستین۔

ہوئیں نہ کسی صحابیؓ کے۔ انکا استعمال قطعاً خلاف سنت بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے کیونکہ وہ منجملہ اُس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

سفید رنگ کا کپڑا حضور کو بہت مرغوب تھا، چنانچہ فرمایا ہے ”سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے، خود پہنو اور مردوں کو اس میں کھناؤ۔“

لباس کے بارے میں آپ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آجاتا، پہن لیتے کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا، چنانچہ ادنیٰ، سُوتی، کتان، ہر قسم کے کپڑے پہنتے، اَلَا یہ کہ کوئی خاص عذر یا مانع ہوتا تو اجتناب کرتے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپ کے واسطے ادنیٰ جبہ طیار کیا، آپ نے پہن لیا، لیکن جب پسینہ نکلا اور اُون میں بدبو پیدا ہوئی تو فوراً اتار دیا۔ آپ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی جتنے کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابو داؤد میں عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضرت کے جسم مبارک پر بہتر سے بہتر لباس دیکھا ہے۔ پس جو لوگ زہد و عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں، یا جو لوگ موٹے جھوٹے کھانے کپڑے کو غرور سے ناپسند کرتے ہیں، دونو کے دونو سنتِ نبویؐ سے منحرف ہیں۔ سنتِ نبویؐ میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے، افراط و تفریط کا وہاں گزر نہیں، اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ دونو لباسِ شہرت میں داخل ہیں۔ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو کوئی دنیا میں لباسِ شہرت اختیار کرے گا، آخرت میں خدا اُسے ذلت و خواری کا لباس پہنائیگا۔

لباسِ شہرت سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کر نیوالا، دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحبِ لباس کیلئے عظمت و بزرگی قائم کر نیوالا ہو، عام اس سے کہ دنیا داروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا، اس وقت جو خاص لباس صوفیوں اور پُرانے مولویوں میں رائج ہے، وہ بھی لباسِ شہرت میں داخل ہے، کیونکہ ہمیں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباسِ شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مستزعم)

جسکے شعلوں میں وہ دونوں کے اندر پھکے گا! ”صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ”جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کے دامن دراز کئے، قیامت کے دن خدا اُس کی طرت نہ دیکھے گا!“

اس بارے میں کوئی خاص اصول بتایا نہیں جاسکتا، مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے، چنانچہ شہرت و تکبر کے خیال سے ادنیٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی اُس حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ (رسول اللہ مسلم نے) فرمایا: ”جس کسی کے قلب میں ایک ذرہ بھی غرور کا ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا“ اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھی ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائیگا۔ اسپر ایک شخص نے عرض کی: لیکن یا رسول اللہ! میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے؟ فرمایا ”نہیں“ اللہ جمیل ہے، حال کو پسند کرتا ہے! غرور، حق کا ٹھکرا نا اور مخلوق کی تحقیر ہے!“

اکل و شرب

اکل و شرب میں سنت نبویؐ یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا، اُسی پر اکتفا کرتے، نہ موجود کو رد کرتے نہ غیر موجود کیلئے اہتمام فرماتے۔ طبیبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا، تناول کر لیتے، ”الایہ کہ طبیعت کرہت کرتی تو ہاتھ اٹھا لیتے، مگر نہ تو اُسکی مذمت کرتے نہ اُسے حرام قرار دیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، جو مرغوب ہو اُکھا لیا، در نہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا، جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں ہو ا کہ اُسے کبھی کھایا نہ تھا اسلئے تناول کرنے سے اجتناب کیا، لیکن امت پر حرام نہ کیا، بلکہ خود آپؐ کے دسترخوان میں لوگوں نے اُسے کھایا اور آپؐ دیکھتے

رہے۔

بار بار ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا، مگر آپ نے نہ تو کسی سے مانگنا نہ شکایت کی، بلکہ صبر و شکر کئے رہے، بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں مگر اُن تک نہ کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا، خدا کے اس وسیع فرش سے دسترخوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ پیٹھ کے پیتے، لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے، لوگ پانی پی رہے تھے، آپ نے بھی طلب فرمایا، ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔ ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے، فرمایا: ”پانی پیو تو چوس کر پیو“ اور فرمایا ”پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو، بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لے لو“ صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے: ”اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے“ ترمذی میں ہے کہ فرمایا ”ایک سانس میں غٹ غٹ پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو، بسم اللہ سے شروع کرو اور جب پی چکو تو خدا کی حمد و ثنا کرو“ کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے اور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ پانی پی چکے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف دلے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ برتاؤ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا ”تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنادی گئی ہیں، لیکن نماز میں میری دلی مسرت لے یہ واقعہ حضرت خالد بن الولید کا ہے۔

ہے۔ "تمام ازواج کے ساتھ شبِ باشی، رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے۔ رہی محبت میں کمی بیشی، تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں، اسی لئے اکثر فرمایا کرتے "خدا یا جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجو! آپ نے طلاق بھی دی ہے، رجوع بھی کیا ہے، ایک مہینہ کیلئے ایلا بھی کیا ہے لیکن ظہار کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا، ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے، حضرت عائشہؓ، کم عمر تھیں اسلئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کیلئے بلا دیتے، اگر وہ کسی ایسی بات کیلئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے، محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اُسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش کر لیتے جہاں اُنکے لب لگے ہوتے! اکثر انکی گود میں ٹیک لگاتے، اگر ایام سے ہوتیں تو بھی انکے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے، روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے، ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشا کر رہے تھے، آپ نے حضرت عائشہؓ کو دکھایا اور اس طرح کہ وہ آپ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر میں مذاقاً اُن سے دوڑ بھی کی ہے، اور ایک دفعہ گھر سے نکلنے ہوئے دروازہ میں اُن سے کشاکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر پر جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے، جسکا نام نکل آتا، اُسی کو ہمراہ لیجاتے۔ حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے "سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو، میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں" دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے، جب

لے ۱۵ ان دونوں نظروں کے معنی آگے بیان ہوئے۔

رات ہو جاتی تو اُس بیوی کے گھر تشریف لیجاتے جسکی باری ہوتی، اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ نویسویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی کیونکہ حضرت سوڈہ نے کبر سنی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی اسلئے ان کے ہاں دورات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات۔ اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے، اگر اول شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے۔ کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اُس رات ازواج کے گھر نہ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔

نواب اور بیداری

کبھی بستر پر سوتے کبھی چٹائی پر، کبھی چار پائی پر، کبھی زمین پر، بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ جب سونے کیلئے بستر پر جاتے تو نہ راتے ”باسمک اللہم احياءا وموت“ (الہی! تیرے ہی نام پر میرا جینا اور مرنا ہے) دائیں کروٹ پر لیٹتے، دایاں ہاتھ دائیں رُضارے کے نیچے رکھتے، پھر نہ راتے ”اللہم قنی عذابك يوم تبعث عبادك“ (الہی! جس دن بندے بلائے جائینگے

مجھے اپنے عذاب سے بچائیو) جب بیدار ہوتے تو فرماتے ”الحمد لله الذی احيانا بعد ما أماتنا والیہ النشور“ (خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اُسی کی طرف پھر لوٹ کے جانا ہے) پھر مسواک کرتے۔ دستور تھا کہ اول رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اُٹھ بیٹھتے، لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی

۱۵۔ یہ اس لئے کہ عورت کو اپنی طیاری کا موقع مل جائے، رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اسی لئے جب سو جلتے تو کوئی نہ اٹھاتا یہاں تک کہ خود اٹھ جاتے۔

سواری

آپ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ، خیر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سواری ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر، اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواجِ مطہرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے۔ سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خیر کا وجود عرب میں کم تھا، اسی لئے جب ایک خیر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے، تو جواب میں فرمایا: ”یہ فعل جاہلوں کا ہے۔“

معاملات و اخلاق

آپ نے تجارت کی ہے، خرید و فروخت کی ہے، ٹھیکہ لیا ہے اور دیا ہے، نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ میں بھی کام کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کا ایک پُرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: ”آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟“ فرمانے لگے ”نہیں، تم تو میرے شریک تھے اور کیا ہی اچھے شریک، نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار و حجت کی،“ آپ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے، ہدیہ لیا ہے دیا ہے، اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔ ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لئے ہبہ کرایا بھی ہے، چنانچہ سلمہ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کینزائی، آپ نے فرمایا: ”یہ مجھے ہبہ کر دو، انہوں نے فوراً منظور کر لیا،“ آپ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رکھا کر لیا۔ آپ قرض بھی لیتے تھے، کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے، ضروریاتِ زندگی بھی عاریتہ لیتے تھے اور

کبھی اُدھار خریدتے تھے۔ آپ کا یہ اعلان عام تھا کہ میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اُسکی ادائی میرے ذمہ ہے۔ آپ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کیلئے اُسکی آمدنی صدقہ کر دی تھی۔ آپ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے چاہی بھی ہے، چنانچہ ”بریرہ“ سے اس کے شوہر کے بارے میں سفارش کی کہ اسکی زوجیت میں رہنا منظور کر لے، مگر جب اُس نے انکار کر دیا تو اُس پر کچھ ناراض بھی نہ ہوئے۔ آپ قسم بھی کھاتے تھے، مگر کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے، کبھی بغیر شرط کے رکھتے، کبھی اُسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اُسے آخر تک پورا کرتے۔ آپ مذاق بھی کرتے تھے، لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ تو یہ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق و صدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقعا پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اس کے مخالف سمت کے حالات راستے اور منزلیں دریافت فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔ آپ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، دعوت قبول کرتے، بیواؤں، مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے، شعر بھی سنتے، اس پر انعام بھی دیتے۔ آپ نے پیدل دوڑ بھی کی ہے، گشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے، کپڑے اور چرمی ڈڈل میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے۔ کپڑوں سے جوں نکالے ہیں۔ اہل و عیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوٹی ہیں۔ حمان بھی ہوئے

۱۵ یہ سب اسلئے کہ امت کیلئے اسوہ و نمونہ ہوں (مترجم)

۱۶ دعوت کے معاملہ میں آجکل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں، اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے، کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کیلئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں، اس سے سنت کی مخالفت ہوگی، کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت) موجود ہے۔ (مترجم)

ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔

مسائل میں آپ کا طریقہ بہترین تھا، قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرضخواہ کے حق میں دعا فرماتے: ”بَارَكَ اللهُ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ“ (اللہ تیرے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائے، قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گزار کی ظاہر کی جائے) ایک مرتبہ ایک نصاریٰ سے کچھ قرض لیا درمیان میں اُسے ضرورت ہوئی اور وہ تقاضا کیلئے حاضر ہوا، اُس وقت آپ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا، فرمانے لگے ”ابھی تک ہمارے پاس کوئی آمدنی نہیں آئی“۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا ”روک کر فرمانے لگے“ ٹھیروا کچھ اور نہ کہو، مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے! چنانچہ بعد کو اُسے قرض سے دونہا دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ اُدھار خرید اور قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا، صحابہؓ تنبیہ کیلئے اُٹھے، آپ نے منع کیا اور فرمانے لگے ”رہنے دو، حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے“ ایک مرتبہ کچھ اُدھار خریدا، پھر فروخت کیا تو نفع ہوا، نفع کو فائدان عبدالمطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمانے لگے ”اُنہ سے ہم کوئی چیز بھی اُدھار نہ خریدینگے“ (ابوداؤد) ایک مرتبہ قرضخواہ تقاضا کے لئے آیا اور سخت سست کہنے لگا، حضرت عمرؓ مارنے چلے، آپ نے روک دیا اور فرمانے لگے ”عمر! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی ایک یہودی سے کچھ مال خریدا، وہ قیمت لینے آیا، آپ نے فرمایا ”ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا“ وہ شوخ چشتی سے بولا ”تم فائدان عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو“ اس پر صحابہؓ کو غصہ آگیا اور ددڑ پڑے، آپ نے سب کو روک دیا، اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا، آپ اتنے ہی نرم ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پکار اُٹھا، اُس نے کہا یا رسول اللہ، نبوت کی تمام باتیں مجھے آپ میں نظر آتی تھیں، صرف آپ کے علم کا امتحان باقی تھا، سو اس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب

میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ سے زیادہ تیز رفتاری میں کسی کو نہیں دیکھا جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے، مگر آپ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان پہاڑی سے اتر رہے ہیں دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو انہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے ”مجھے ملائکہ کیلئے اپنے پیچھے رہنے دو“ آپ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی، بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آگیا اور خون بہنے لگا، اسپر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا :

هل انت الا اصبع دميت دني سبيل الله مالمقلت!

(تو کیا ہے؟ صرف ایک انگلی جو زخمی ہو گئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سادات

فصیب ہوئی ہے!!)

سفر میں اپنے صحابہ کا مؤخرۃ البعیش خود ہوتے، کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، انکے حق میں دعا فرماتے۔ نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی خود زمین ہی پر۔ جب عدی بن حاتم آئے تو آپ انہیں اپنے گھر لیگئے، کینز نے وہ گدالا کر ڈال دیا جس پر

۱۷ ہمارے ہاں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد و اتقا سے قرار دیتے ہیں، اللہ کا رسول اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق چو بند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے، یہ چیز انکے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج اُن سے زیادہ پرہیزگار ہو گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیا و مافیہا کی زندگی قرار دیتے ہیں، سچ ہے جبستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین بچنے نہیں دیتی، آج مسلمانوں کا دین بھی تباہی پست ہو رہا ہے جتنی انکی دنیا۔ خدایا رحم کر! (مترجم)

اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدی کے بیچ میں رکھ کے خود زمین پر رونق افروز ہو گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ ”یہاں بادشاہی نہیں ہے“ ایسے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا، کبھی کبھی ایک پیر کو دو سر پیر پر رکھ لیا کرتے تھے، تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے، کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت، اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صامی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

قضاے حاجت

جب قضاے حاجت کیلئے جاتے تو فرماتے ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْحَبْثِ وَالْخُبَاثِثِ الرَّجْسِ النَّجِسِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ“ (الہی! مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خباثت سے نجس شیطان رجیم سے) جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے ”غفرانک“ (تیری مغفرت مطلوب ہے) کبھی پانی سے استنجا کرتے کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضاے حاجت کیلئے دُور چلے جاتے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے، کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے، کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے۔ اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو پھینٹیں اڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کے زمین نرم کر لیتے۔ عموماً بیٹھ کے پیشاب کرتے لیکن امام مسلمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیلئے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جبکہ ایک گھوڑے کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقعہ ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔ استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور اُن باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً مشکی لوگ کیا کرتے ہیں۔ پیشاب کرتے ہوئے

لے اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں

سلام کا جواب نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، ابن عمرؓ ادھر سے گزرے اور سلام کیا، آپؐ نے انہیں جواب تو دیدیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے ”میں نے صرف اس خیال سے جواب دیدیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہ دیا، لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب میں اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا، کیونکہ جواب نہ دوں گا۔“ استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

صفائی

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ دہنی طرف سے شروع ہو، جوتا پہننا، کنگھی کرنا، غسل کرنا، دینا لینا، سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کیلئے تھا، بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دور کرنے کیلئے تھا۔

حجاء کے بارے میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۶۰) ہیں جنکے بغیر بقول اُنکے استنجا درست نہیں ہوتا، پھر اُن لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اسکے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی ”احتیاط“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی لازماً طہارت قرار دیتے ہیں، اور جو انکی پیروی نہ کرے اُسے فیر متقی یا مذہب سے بے پروا سمجھتے ہیں، حالانکہ سنت نبویؐ میں اُن کے ان توہمات کا کہیں پتہ نہیں۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ ہیبت استنجا ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے۔ یہ لوگ ڈھیلا لے کر دیر تک بیٹھتے ہیں، کھکا کر کہتے ہیں، ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ ہلکی سی جیا کے راستوں، بازاروں اور مسجدوں میں دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذہوم ہے، جلد سے جلد اسکا ازالہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالذین کا موقع ملتا ہے۔ (مترجم)

موٹا بولے۔ آپ مونچھ ترشواتے تھے، ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا ”جو مونچھ نہیں کٹانا وہ ہم میں سے نہیں۔“ صحیح مسلم میں ہے ”مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو،“ صحیحین میں ہے کہ ”مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو۔“

حضرت کو خوشبو بہت پسند تھی اور اسکا استعمال بکثرت کرتے تھے، حتیٰ کہ بقول

لے آپ نے عمر میں صرف ایک مرتبہ سر نہ دیا سہاوردہ بھی حج کے موقع پر سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے جب کاندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کرکانوں کی ٹوٹک کر دیتے تھے، لہذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے نہ منڈانا، جیسا کہ جابلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں، منڈا سر نہایت بُرا معلوم ہوتا ہے، انبیاء کا ذوق سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے، اسی لئے ان کے طریقوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے۔ (مترجم)

۵۔ بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں، حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا مذکور نہیں، بلکہ بعض ائمہ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے، کیونکہ وہ مونچھ صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بدناماتے ہیں، اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی داڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر بد ہیئت بنا دیتی ہیں کہ بشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم)

۶۔ داڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں، ”ایک مشت و دو انگل“ کی جو نامی مشہور ہو گئی ہے سنت میں اسکا کہیں ذکر نہیں، درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں، کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی داڑھی اسکے چہرہ اور قد کیلئے مناسب ہوگی، تمام صحابہ کی داڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھا کہ جس سے داڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں کو اُن کے ذوق پر چھوڑنا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، بہت سے لوگ ”خط“ بنواتے ہیں، یعنی رخسار، ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں جو بلا شک ”داڑھی“ کے اندر داخل ہیں، یہ طریقہ بھی مسنون نہیں، معلوم نہیں یہ کم کیونکر پھیل گئی، حالانکہ اس سے بھی چہرہ بد نما ہو جاتا ہے، اسی طرح گدی پر کے بال منڈانے سے بھی بد نمائی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان کیلئے زیبائیں کہ اپنی صورت بگاڑے، خدا جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، ہرگز بد وضعی اور بد ہیئت سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

ایک جماعت علمائے خوشبو کے کثرت ہستعال سے آپ کے بال سُرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مندی کا خضاب کیا گیا ہے۔ جابر بن سرہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چمکنائی میں چھپ جاتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے، مسلم میں ہے کہ فرمایا ”جس کسی کو پھول پیش کیا جائے چاہئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے“۔ بزار نے بسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا ”اللہ طیب ہے، طیب کو پسند کرتا ہے، صاف ہے، صفائی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے“ اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں۔“

حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے، اگر خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے۔ آپ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی، روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے یا وضو کرتے یا نماز کیلئے کھڑے ہوتے یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ ”اگر امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا“ بخاری میں (تعلیقاً) ہے ”مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے“ مسواک کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں، قطع نظر اسکے اس میں بیشمار فوائد بھی ہیں، وہ منہ کو صاف کرتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتی ہے، دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دُور کرتی ہے، قرآنِ قرآن اور ذکرِ الہی کی ترغیب دیتی ہے۔ مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے، منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے عام اس سے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ، روزہ دار کیلئے تو مسواک کُور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ غلو مودہ کی وجہ سے اسکے منہ میں بُوزیادہ ہو جاتی ہے

خود آنحضرت صلعم کا بھی اسپر عمل تھا چنانچہ سنن میں عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاری نے ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اوّل اور آخر حصّہ میں مسواک کرنا چاہئے۔ لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کئی کر سکتا ہے، حالانکہ کئی مسواک سے زیادہ دہن کو نری پہنچاتی ہے۔ بدبو سے روزہ کا ثواب نہیں بڑھتا، اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبو دار دہن سے اسکی عبادت کریں؟ بلاشبہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کو روزہ دار کے منہ کی بو بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصدِ امنہ میں بو باقی رکھی جائے، یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کیلئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بو اُسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اُس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو غن کی طرح لال ہوگا، مگر اپنی بو میں مشک کی طرح ہوگا، حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دُور کرنا چاہئے، یہی حال روزہ دار کے دہن کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بو تو دُور بھی نہیں ہو سکتی، جب تک معرہ خالی ہے بو ضرور باقی رہے گی، بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دُور ہو جائے اور منہ سے بونہ اڑے علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے وہ تمام باتیں امت کو بتادی ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مگر مسواک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کرینگے اور خود آپ بھی کیا کرتے اور بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اسکے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے، لیکن آپ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں اُس وقت کرو۔

۱۔ اس فصل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم کو صفائی کا کتنا خیال تھا، اب مسلمان سوچیں کہ انکی حالت

گفتگو خاموشی، ہنسی، رونا

آپ از حد فصیح اور شیریں بیان تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے بلکہ ٹھیک ٹھیک کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کر کے کہتے کہ مخاطب بخوبی طرح گفتگو یاد کر لیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔ ہمیشہ خاموش رہتے، بلا ضرورت کبھی نہ بولتے، جب بولتے تو منہ جھرا کر بولتے، کٹے پیٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے لفظ بولتے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے، نیچے نیچے الفاظ ہوتے تھے، مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بُری معلوم ہوئی ہے۔ بدخلق، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور و غل کا وہاں گزرنہ تھا۔ ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باچھیں کھل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔ اس سبب

وَقَعِرَ نَظْرُ مُتَلَفِّهِ (۶۴) کیا ہے، مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں، عوام سے زیادہ علماء کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہئے، طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر تنہا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دلوئے اوپر اٹھائے بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کھیل اور جو سے پاکی ہے، جسکی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے، مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ انکے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے، اکثر مسلمان جو سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کہتے ہی میٹھے ہو جائیں، اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی سی نشا و ہمت باقی نہیں۔ سواک کا بیان اس فصل میں پڑھ چکے ہو، مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے، بہت سے اوپر اوپر سواک کر لیتے ہیں، منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے، خصوصاً مساجد میں جبکہ صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پردائی سے جمائیاں لیتے ہوتے ہیں تو اس قدر بو پھیلی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضل ہے، کتنے مسلمان ہیں جنکے مکان ان یہودیوں کے سے نہیں جنکے محل ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وَاللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اَحْوَالَنَا! (مترجم)

رونا بھی تھا، دائیں مارنا یا ہچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا، صرف آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے تھے، اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپ کا رونا کبھی میت کیلئے ہوتا، کبھی اپنی امت کیلئے، کبھی خشیت الہی سے، کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق، محبت، خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی جب آپ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا "تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَخْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا تَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَآنَا بِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَخَزْنُؤُنْ" (آنکھ رو رہی ہے، قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو، ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!) اسی طرح اپنی ایک صاحبزادی کو حالت نزع میں دیکھ کر روئے، ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ نساءؓ سنائی اور جب آیت "فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا" (۳: ۵) پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپ نے صلاۃ الکسوف پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہوتی تھی اور رویا کرتے تھے۔

خطبہ

آپ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر سے بھی اور ادنٹ کی پشت پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ و غضب از مد بڑھ جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو لٹکار رہے ہیں۔ خطبہ اس طرح شروع فرماتے: اَمَّا بَعْدُ فَاَنْ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) وشر الامور محدثاتہا وکل بدعة ضلالة، ہر خطبہ حمد و ثنا کے شروع کرتے تھے، را بہت سے فقہاء کا یہ کہنا کہ خطبہ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے شروع ہوتا ہے، سب سے بہتر حدیث محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث ہے، سب سے بڑی چیز برکت، اللہ پرست مگر ایسی ہے

اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہئے، تو دعوے بلا دلیل ہے، کیونکہ سنت نبویؐ میں اسکا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبویؐ اس کے سراسر خلاف ہے۔ آپؐ ہمیشہ خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے، مراسل عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ”السلام علیکم“ شعبی کا قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا، صحیح مسلم میں ام شہام بنت حارثہ کی روایت ہے کہ سورہ قاف میں نے خود آنحضرتؐ سلم کی زبان مبارک سے سُن سُن کے یاد کی ہے، کیونکہ آپؐ ہر جمعہ میں اُسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو یوں فرماتے : الحمد لله نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن بعدہ، الله، فلا مضل له ومن یضلل فلا ہادی له، واشہد ان لا اله الا الله وان محمدًا عبدہ ورسولہ، ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی الساعة، من یطع الله ورسولہ فقد رشد ومن یعصمہما فانہ لا یضر الا نفسه ولا یضر الله شیئاً۔

خطبہ کا موضوع، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے اوصاف و کمالات کا بیان، اصول اسلام کی تعلیم، حالاتِ جنت، دوزخ کی تشبیہ، تقویٰ الہی کی ہدایت اور خدا کی ناراضی خوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقع پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت و ضرورت کے مناسب ہوتے۔ آپؐ نے کوئی خطبہ نہیں دیا جس میں شہادت کے لئے حمد اللہ کیلئے ہے جس سے ہم اعانت و مغفرت چاہتے اور اسی سے اپنے نفسوں کے شر سے بچنا چاہتے ہیں، اللہ ہدایت یاب کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے اُدھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت بخینے والا کوئی نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا ایک بندہ اور رسول ہے جسے اُسے قربِ قیامت پر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی، ہدایت پائی اور جو ان دونوں کا نافرمان ہو، وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچا لینگا، اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

ہندوستان میں خطبہ جمعہ محض رٹا ہوتا ہے، اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، خلیف اُسے قرآن کی طرح قرآنہ کے ساتھ اور گا لگا لگا پڑھا جاتا ہے اور سامعین بیٹھے اد نگھا کرتے ہیں، بھلا ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ پھر

دونو کھوں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمد) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، عید کے موقعوں پر غورتوں کیلئے علیحدہ خطبہ دیتے جس میں انہیں مسدقہ کی ترغیب دلاتے، خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کمان پر۔

نام

انفاذ معانی کے قالب ہیں، اسم اور سٹی میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے، اسی لئے آپ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور بُرے نام رکھنے سے روکتے تھے، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، سب سے زیادہ درست: حارث (ماہر، یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع - سخی) ہیں، سب سے زیادہ مکروہ: حرب (جنگ) اور مرۃ (تلخ) ہیں“ نیز فرمایا ”اپنے غلام کا نام بشار (نہی، کشادگی) ربلح (رنج، بنج) کامیاب، الفلح (نہایت کامیاب) نہ رکھو، کیونکہ کبھی اُس کا نام لیکر دُکڑا رو گئے کہ فلاں دہاں ہے؛ اگر نہ ہو تو جواب ملیگا نہیں! اسی طرح آپ نے غاصیۃ (نافران) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ ”تو غاصیہ نہیں جمیلہ ہے“ اس بارے میں اسقدر خیال تھا کہ حکم دیدیا تھا کہ آپ کے پاس ڈاک لانے والے خوبصورت اور اچھے نام کے لوگ ہوں۔ آپ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت ”ابو الحسن“ اور صہیب کی ”ابو یحییٰ“ مقرر کر دی تھی۔

سلام

صحیحین میں ہے کہ فرمایا ”سب سے افضل اور سب سے بہتر سلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس و نا کس کو سلام کرے“ صحیح بخاری میں ہے ”تین باتیں جس کسی میں (فقیر نوٹ متعلقہ صفحہ ۶۷) خود یہ مطبوعہ خطبہ اعلیٰ مطالب سے خالی ہوتے ہیں اور بجز یکایک قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جس سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

جمع ہو گئیں، ایمان جمع ہو گیا؛ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، سب کو سلام کرنا، تنگی میں خدا کے نام پر خرچ کرنا۔ ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزیرے تو انہیں سلام کرنے میں پیشقدمی کی (مسلم) اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا ”چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راستہ جانیوالا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو، تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو“ آپ کی سنت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے۔ حدیث میں ہے ”مجلس میں آؤ تو سلام کرو، جانے لگو تو سلام کرو، یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے“ اور فرمایا ”اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو“ آپ کا سلام ”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ“ تھا، اور سلام کا جواب ”وعلیک السلام“ ہمیشہ زبان سے جواب دینے، اُتھ یا انگلی کے اشارہ، یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے، البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دیدیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابرؓ وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے، آپ نے اُن سب کو سلام کیا۔ جب کوئی کسی دوسرے کا سلام آکر پہنچاتا تو سلام کر نیوالے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اُس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ توبہ کر لے جیسا کہ کعب بن ملک اور اُنکے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ حضرت زینبؓ سے دو مہینہ ترک کلام کر دیا تھا کیونکہ آپ نے اُن سے فرمایا تھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنا اونٹ دیدیں مگر انہوں نے جواب سختی سے دیا، کہنے لگیں ”ہاں میں اُس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دوں گی!“ (ابوداؤد)۔

۱۵۷۔ ایک کیلئے درنہ جماعت کیلئے ”وعلیکم السلام“۔

چھینک

ابوداؤد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب آپ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا ”اوپنچی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی طرف سے ہے“ اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے“ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے چھینک لی، آپ نے قاعدہ کے مطابق ”یرحمک اللہ“ کہا، ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو یرحمک اللہ نہ کہا بلکہ فرمانے لگے ”اسے زکام ہے“ حدیث صحیح میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے“ جب چھینک آئے تو ”الحمد للہ“ کہا کرو، دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو ”یرحمک اللہ“ کہو، رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا جتنے الوسع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے“ (بخاری) نیز فرمایا ”جب چھینک آئے تو ”الحمد للہ“ کہو، سننے والا ”یرحمک اللہ“ کہے، تم جواب میں ”یہدیکم اللہ ویصلح بالکم“ کہو“ (بخاری) صحیح مسلم میں ہے ”مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو، دعوت قبول کرو، نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو، چھینک لے کر ”الحمد للہ“ کہے تو ”یرحمک اللہ“ کہو، بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، مر جائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ۔“

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی، اچانک گھس جاتے کہ لوگ بخیر کے عالم میں ہوں، جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے، پھر کبھی فرماتے ”تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟“ اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔ ترمذی میں ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا ”جب گھر میں

جاؤ تو سلام کر دو تاکہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل و عیال پر نازل ہو“ اور فرمایا ”جب آدمی گھسہ آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں، لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب بانشی کا سامان ہو گیا، پھر اگر کھانے پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا“ **مسلم** گھر میں آنے کیلئے اجازت چاہنا

جب کسی کے ہاں تشریف لیجاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آ جلتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے ”السلام علیکم“ حدیث میں ہے کہ فرمایا ”جب کسی گھسہ جاؤ تو اندر جانے کیلئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر مل جائے داخل ہو ورنہ واپس چلے آؤ“ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا آپ اُٹھے اور اُسکی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا، پھر فرمایا ”اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اسکی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں“ نیز فرمایا ”جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اُسکی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ قصاص“ ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا، آپ نے فرمایا ”کہو السلام علیکم، کیا میں آؤں؟“

مرغوبات و مکروہات

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا ”جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے کہ اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں، اور اُس نے کہا اے یہ اسلامی ادب تو مسلمانوں سے تقریباً منقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں ادا اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہوں تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ تو اس پر بجز موت کے کوئی مصیبت نہ آئیگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَلَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ رجب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا ”یہ اللہ کی مشیئت ہے اور بجز خدا کے ہاں کے کوئی طاقت نہیں“ (حدیث میں ہے کہ ”رؤیائے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی بُرا خواب دیکھے تو چاہئے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے۔ لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہئے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے۔“

عبادات

وضو

اکثر ہر نماز کیلئے الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک ہڈ پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ٹکٹ سے، امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے ”وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام ”دھمان“ ہے، لہذا پانی کے وسوسوں سے بچو“ وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے، حتیٰ کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔ اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے حصہ پر اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں گلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اسکے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں کیوں گلی اور استنشاق ایک ایک چٹو سے کرتے، کبھی دو سے اور کبھی تین سے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دو نو ایک ہی چٹو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا گلی میں لے لیتے اور آدھا ناک

لے لے کر باقی ایک سیر کا وزن ہوتا ہے۔

میں جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ ابن زیدؓ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے اور چھینکتے بائیں ہاتھ سے تھے سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کیلئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خُف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے تو پیر دھوتے، ورنہ مسح کرتے تھے، سفر و حضر دونو حالتوں میں مسح کیا ہے، اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کیلئے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے اور سفر کیلئے تین دن رات۔ آپ نے خُف پر بھی مسح کیا ہے، جرابوں پر بھی اور جُتوں پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پُوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھو لیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ داڑھی اور انگلیوں میں ظلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔ جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمہ شہادت پڑھتے، اسکے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کُنبیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا تھا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں وضو کرایا تھا۔ (صحیحین)

تیسرے

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے، دو مرتبہ ہاتھ مارنا

۱۵ اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں، اتنے دیر ہوں، پچھٹے ہوں، ...، لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں یا اون کے یا سوت کے سب پر مسح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جو تھے پر بھی مسح کرنا جائز ہے، اس باب میں مصلحت رفع تکلیف ہے، اگرچہ یہ اسلئے جسکے پہننے اور اُتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے، اگرچہ سوتی ہوں، باریک ہوں، جا بجا سے پچھٹے ہوں، کیونکہ سنت نبویؐ میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں، امام احمد کا قول ہے کہ جو کوئی تیمم کینوں تک جاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے تیمم ہر اُس زمین پر کرتے جس پر ناز پڑھ سکتے تھے، عام اس سے کمی مٹی ہو، لونا ہو، ریت ہو، فرمایا ”ہماں کہیں میری امت کے آدمی کو نماز کا وقت آجائے تو اسکے پاس اسکی مسجد اور اسکی طہارت کا سامان موجود ہے“ ہر نماز کیلئے تیمم نہ کرتے اور نہ اسکا حکم ہی دیتے، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

نماز

جب نماز شروع کرتے تو صرف ”اللہ اکبر“ کہتے اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے، حتیٰ کہ نیت بھی

لے تیمم وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے اگر بانی میر نہ ہو باجالت مرض و سفر میں ہے ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا“ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ (۲: ۴۵)“ مسلمانوں! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھنے لگو، اسی طرح جب سنانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے پاس نہ جاؤ، یہاں تک کہ غسل کرلو، مگر باں سفر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر تیمم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضاے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا عورت کے پاس گیا ہو اور پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اس طرح کہ چہرہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرلو“

نماز کے فوائد بشمار ہیں، اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، اچستی و چالاکی آتی ہے، پابندی اوقات اور ایقانے عہد کی عادت پڑتی ہے، نماز کی صفوں کا اتحاد، دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے نہیں ایک بڑی برادری کا فرد اور طاقت و جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اسکے ذریعہ جماعت سے انس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے، علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور خدا میں محسوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اسکی آئیں تلاوت کرتا ہے، ان میں غور و فکر کرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگران ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خشیت و محبت الہی کو نشو و نما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اسکے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کیلئے ایک مضبوط سپر بھتاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَأَقِمِ الصَّلَاةَ“

زبان سے کچھ کہے نہ کرتے، مثلاً نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رخ ہو کر، یا معتدلی اور امام ہو کر، یا فرض نماز کی یا سنت کی، یا قضا کی یا ادائی، غرض کہ اس طرح کی کوئی بات

(بقیہ نوٹ مشاعرہ صفحہ ۷۷) (اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ وَلَیْذِکَ رَکْبَہُ الْکَبِیْرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصِفُوْنَ " (۲۱:۱) (نماز کو قہر کر دے، نماز نواحش اور بُرائیوں سے روکتی ہے الخ)

پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں، جسم پاک ہوتے ہیں، لباس جگہ اور ماحول کی صفائی سہتی ہے، لوگوں میں ہمت و نشاط پیدا ہوتی ہے، نیکی کی ترغیب، بدی سے نفرت، باہمی اتحاد، قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشو و نما غرض کہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَأَسْتَعِیْذُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَلَا تَهَاۡلُکَیْہُمْ اِلَّا عَلٰی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یُطٰوِنُوْنَ اَنْفُسَہُمْ مَّلَاقًا رَّہِیْمًا دَاۡخِعُہُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " (۵:۱۱) (صبر و صلا سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو، نماز بڑا بوجھ ہے لیکن اُن لوگوں کیلئے نہیں جنکے اندر خشیت الہی ہے اور جو سمجھتے ہیں کہ اللہ سے ملنے اور اسکی طرف لوٹ جانے والے ہیں) بنا بریں اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہو سکتا، لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے، کیونکہ وہ اسکے فوائد سے ناواقف اور موجودہ زمانے کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھ کر مایوس ہو گئے ہیں کہ جنکے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور؟ یہ لوگ تو اُن نمازیوں میں ہیں جنکی بابت قرآن مکتا ہے: "قُوۡلِ لِلصّٰلِحِیۡنَ الَّذِیۡنَ هُمْ عَنْ صَلٰتِہِمْ سَاهُوۡنَ الَّذِیۡنَ هُمْ بِرَآۡدِیۡ وَّیَمۡنَعُوۡنَ اِلۡمَآعُوۡنَ" (۳۲:۳۱) (اُن نمازیوں کیلئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں میں غافل رہتے ہیں اور محض دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں الخ) یہ لوگ نمازیں کیا پڑھتے ہیں، صرف ٹکریں لگاتے ہیں نہ نماز کو سمجھتے ہیں، نہ اسکے ارکان کا مطلب جانتے ہیں، نہ قرآن میں کبھی غور و فکر کرتے ہیں، صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے فقہی شروح کی پابندی پیش نظر رہتی ہے، لہذا ہر سے سرد کار دکھتے ہیں، مغز سے نا آشنا ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ فوز و فلاح کی راہیں ان پر کھلتی ہیں، حالانکہ الکی نماز اگر حقیقی نماز ہو تو دین و دنیا کی برکتوں کا موجب بنتی قرآن میں ہے: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ هُمْ فِیۡ صَلٰتِہِمْ خٰشِعُوۡنَ ۝۱۰ (البشہ فلاح یاب ہوئے وہ مومن جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں)۔

نماز کیلئے معتد و معین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے، اور وہ یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد کے اندکے حضور مجھک جائیں تاکہ اعمال دنیا کی وجہ سے جو کتنا قفس قلب پر آگئی ہوں، ذکر الہی سے دور ہو جائیں اور قلب پھر از سر نو تروتازہ، پاک صاف اور ہر نیکی و خیر کیلئے مستعد ہو جائیں بنا بریں اوقات کی پابندی کے ساتھ نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں، حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دئے ہیں بلکہ نماز کے اہم ارکان، قیام، قرأت، تسبیح

پہلی رہتیں پھر دہنا ہاتھ بائیں پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔ نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے ”اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ“ کبھی کہتے ”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ کبھی کہتے ”إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ“ اصحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے ”سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك“ حضرت عمرؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے باواز بلند کہتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے، اسکے بعد کہتے: أعوذ بالله من الشيطان الرجيم“ پھر ”بسم الله الرحمن الرحيم“ کہتے جو کبھی باواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورہ فاتحہ پڑھتے، ہر آیت پر ٹھہرتے اور آخری حرف کو کھینچ کے پڑھتے، جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی تو ”آمین“ بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے، مقتدی آپ کی آمین سن کے خود بھی بلند آواز سے اسکا اعادہ کرتے تھے۔ پہلی رکعت (بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۷۹) اور اللہ کیلئے سکوت و خشوع سے کھڑے ہو، قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اسلئے نہیں بیان کی کہ یہ چیز برابر محل سے تعلق رکھتی ہے، ازبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ سمجھانا کچھ مفید ہی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا تاکہ اپنے عمل سے دنیا کی ہدایت کرے چنانچہ آپ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہئے امت نے اُسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید دہلوی مترجم)

۱۷۱۔ اللہ میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی مشرق و مغرب کے مابین کی ہے۔

۱۷۲۔ میں اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کے اس فضا کی طوفان کر دیا جسے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے پس میں مشرکوں میں سے نہیں

۱۷۳۔ میری دعا، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے کہ جسکا کوئی شریک

نہیں، اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اہ میں سب سے اقل فرمانبردار ہوں۔

۱۷۴۔ تقدیس ہو خدا یا تیری شکر ہو تیرے لئے بڑا ہوا نام تیرا، اور بلند ہو اُمّرت تیرا، بجز تیرے کوئی معبود نہیں۔

میں دو سکتے کرتے تھے، ایک تکبیرہ اولیٰ کے بعد اور دوسرا سورہ فاتحہ کے خاتمہ پر پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے۔ اَلَا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی غدر پیش آجائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ نماز فجر میں قُرْآن اور سب نمازوں سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اور ”هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ“ عیدین اور کبھی جمعہ میں سورہ ”ق“، ”اقْتَرَبَ النَّعَاتُ“، ”يَسَّحُجُ“ اور ”الْفَائِزِيَّة“ پڑھتے تھے، یہ اسلئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات، خلق آدم، حالاتِ جنت و دوزخ، غرضکہ متعدد مہم بالشان مطالب آگئے ہیں جنکا جموعہ اور عیدین بیتِ جمعوں میں دہرائنا ہر طرح انسب ہے۔ جموعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں پڑھتے تھے بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ابو داؤد میں عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ مفسلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سنی ہو۔

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، جب قِرْآن ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں، پھر ہاتھ اٹھا کے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انیس کپڑے ہیں، دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پشت بالکل سیدھی رہتی تھی، سر نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ کہتے اور کبھی اتنا اضافہ کر دیتے: ”سبحانک اللہم ربنا و محمدک اللہم اغفر لی“، رکوع و سجدات سادہ و سادہ ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ ”سبحان ربی العظیم“ کہ سکے اصحابِ سنن کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمر بن عبد العزیز کے پیچھے نما پڑھی تو کہنے لگے ”اس نوجوان کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے استقامتِ مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی“ راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمر بن عبد العزیز کے

رکوع وسجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے
 جب رکوع ختم ہو جاتا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سر اٹھاتے، نیز رفع یدین کرتے
 رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے،
 چنانچہ تقریباً تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں،
 پھر اسکے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔ رکوع سے اٹھ کر جب پوری طرح کھڑے
 ہو جاتے تو کہتے ”ربنا ولك الحمد“ اور کبھی کہتے ”اللهم ربنا لك الحمد“ اس میں
 ”ولك الحمد“ واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔ یہ قیام بھی اتنا ہی دراز ہوتا تھا جتنا رکوع
 وسجود، اتنا یہ قیام میں یہ دعا پڑھتے: سمع اللہ لمن حمدہ، اللهم ربنا لك الحمد
 مل السموات ومل الارض ومل ما شئت من شئ بعد اهل الثناء والمجد
 احق ما قال العبد وكلنا لك عبد، لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت و
 لا ينفع ذا الجدم منك الحمد، نیز یہ دعا بھی ثابت ہے: اللهم اغسلني من
 خطاياي بالماء والثلج والبرد ونقني من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب
 الابيض من الدنس وباعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق
 والمغرب، دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے، سجدہ
 کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے، پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک، یہی
 طریقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اسکے خلاف کوئی روایت موجود نہیں، وائل بن
 حجر کی حدیث میں ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ
 پہلے گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے، اور جب اٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اٹھاتے اور گھٹنے
 رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں، اسکا کرنا نہ کرنا برابر ہے، نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر
 نہیں پڑتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت و کثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں
 نہیں کرتے؟ جب اللہ کا رسول پابندی سے رفع یدین کیا کرتا تھا تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے
 عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

اسکے بعد ”سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے، ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے، صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا ”جب سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اٹھائے رہو“ سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی، دونو پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوتے، ہتھیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے، انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ، لیکن ابن حبان کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے، سجدہ میں کہتے: سبحان ربی الاعلیٰ، سبحانک اللہم ربنا و بحمدک اللہم اغفر لی اور فرماتے ”اللہم اٰلِیْ عُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِعَافَاةِکَ مِنْ عِقُوْبِکَ“ و اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اَحِیُّ ثَنَاءٌ عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَنْشِیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ“ اور فرماتے ”اللہم اغفر لی خطیئتی و جہلی و اسراف فی امری و ما انت اعلم بہ مِنّی“ اللہم اغفر لی جدی و ہزلی و خطی و عمدی و کل ذلک عندی اللہم اغفر لی ما قدمت و ما اخرت و ما اسردت و ما اعلنت انت الہی لا الہ الا انت“ سجدہ کی دعا کے تعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑ گڑا کر مانگو، جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجدہ بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اُسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔ سجدہ سے نکبیر کہتے ہوئے اٹھتے، پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے، داہنا پیر کھڑا رہتا، ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں، پنجے گھٹنوں پر ہوتے، دو انگلیاں سٹھی میں لے لیتے ادا حلقہ بنا کر انگشت شہادت اٹھاتے، ہلاتے اور دعا کرتے، وائل بن حجرؒ کی روایت اسی طرح پر ہے۔ دونو سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے ”اللہم اغفر لی و ارحمتی و اجبرنی و اھدنی و ادر ذقنی“ پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک

۱۵ خدایا میری مغفرت کو مجھ پر رحم کر، میری مدد کر، مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

کے اٹھنے کی عادت نہ تھی۔

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأت شروع کر دیتے، دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی، جب التحیات کیلئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اُسے خم کرتے، حرکت دیتے، چھٹکلیا اور اسکے بعد کی انگلی مٹھی میں ہوتی، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لیتے، صرف شہادت کی انگلی باہر نکلی رہتی، اس پر نظر جمادیتے، آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اُسکی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں، اس موقع پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد، صحیحین میں ہے کہ: ”جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں پچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے، لیکن بایاں پاؤں ابکی دفعہ اسکے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے۔“ اس نشست میں یہ دعا پڑھتے ”اللّٰہِ

لّٰہِ وَالصَّلٰوٰتِ وَالطَّیِّبٰتِ السَّلَامُ عَلَیْہَا اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

السَّلَامُ عَلَیْہَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا

عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ“ اس نشہ کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے

ہو جاتے۔ باقی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھتے۔ چوتھی

رکعت میں بیٹھتے تو التحیات میں کلمہ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے،

قبر اور دوزخ کے عذاب، موت و حیات اور سبّ الدجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے، پھر

دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے: السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمۃُ اللّٰہِ

وَبَرَکَاتُہٗ“

امام احمد کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے، آنکھیں بند

نکرتے تھے، نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی، صرف التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت

شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسول کی دلی مسرت نماز میں تھی، بلالؓ سے کہا کرتے تھے ”بلال! نماز کیلئے اذان دیکر ہمیں تسکین دو“

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کے ارادہ سے نیت باندھتے، مگر درمیان میں بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے، مبادا صفت میں اسکی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہ بنت الی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ جب کھڑے ہوتے انہیں اٹھا لیتے، اور جب رکوع و سجود میں جانے لگتے تو انار کے زمین پر بٹھا دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین (علیہما السلام) کھیلتے کھیلتے آجاتے، آپ سجدہ میں ہوتے، وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، ان کے گرنے کے ڈر سے آپ سجدہ دراز کر دیتے۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کیلئے بھیجا، پھر نماز کیلئے کھڑے ہوئے، مگر برابر اُس گھاٹی کی طرف پھر پھر کے دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا، لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا، یہ حضور قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں، دروازہ بند ہوتا، آپ نماز پڑھتے ہوتے، اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دیدیتے۔ صحیح مسلم میں جابر کی روایت ہے ”مجھے آنحضرتؐ نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دیدیا۔“ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے، بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبش سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہؐ صلعم نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا۔“

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات کو حجرہ میں نماز پڑھتے، حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپ سجدہ میں جانے لگتے تو اُنکے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پیرسمیٹ لیتیں اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اُسی پر کرتے، صرف سجدہ کیلئے نیچے اُتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی، آپ اُسے برابر روکتے، ٹالتے اور پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے نکل گئی۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپ نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کے الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھار دیتے اور میں اندر آ جاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دیدیتے (احمد و نسائی)۔ کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے، کبھی جوتہ پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لئے جوتہ پہن کے نماز پڑھو۔

۱۵۔ قتبانے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منہلہ انکے ایک قصہ اکھارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہؐ کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتہ پہن کے نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہؐ نے جوتہ پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسرے کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالمتصریح موجود ہے، بلکہ بعض ائمہؒ نے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ جوتہ پہن کے نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ مترجم، حقی کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا زَبَدْتُمْ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ“ میں ”زینت سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے۔ بعض لوگ جوتہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو اسلئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتہ میں وقت بیوقوف نجاست لگتی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتہ پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ”جب مسجد میں آؤ تو اُٹ لٹ کے جوتہ دیکھ لو، اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پسند کرنا پڑھو“ (ابوداؤد و احمد) دوسری حدیث میں ہے ”اگر جوتہ میں نجاست لگ جائے تو اُس کیلئے مٹی طہارت ہے“ (ابوداؤد)۔ ابو زید۔ (لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود

مصیبت کے وقت نماز میں دعاء قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کیلئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بددعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں دعاء قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمد، کے بعد دعاء شروع کرتے تھے، جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بددعا دیتے اور مقتدی آئین کہتے تھے، ابو داؤد وغیرہ نے بھی اسکا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اس طرح کی قنوت کرتے تھے، ورنہ دائمی طور پر جو دعاء قنوت پڑھتے تھے اس سے صرت حمد و ثنا مقصود ہوتی تھی۔

سجده سو

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا ”میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھولوں تو یاد دلاؤ“ آپ کئی بار نماز میں بھولے ہیں اور سجده سو کیا ہے جسکی صورتیں مختلف تھیں کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی اسکے بعد صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سو کے دو سجده کئے۔ حدیث میں ہے کہ سجده سو کی صورت یہ تھی کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے آواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجده کرتے (متفق علیہ) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ سو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد سو کے دو سجده کئے۔ ایک دن نماز میں ایک رکعت رہ گئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے،

(فقیر نوٹ متعلقہ صفحہ ۸۴) میں تو علماء ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؛ لیکن یہ حیرت باطل ہے جاے کہ چونکہ کلمۂ عالم میں جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آجکل عالم ہونے کیلئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتابیں پڑھ لی جائیں۔ مترجم۔

حضرت طلحہؓ نے بڑھکر یاد دلایا تو لوٹے، بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمد) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے، سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سو کے دو سجدے کر لئے (متفق علیہ) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعت پڑھ گئے، گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا، فوراً مسجد واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی، سلام کے بعد سو کے دو سجدے کئے اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔ یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ سے سو ہونا ثابت ہے۔

نماز کے بعد

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے ”اللہم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔“ یہ الفاظ قبلہ منہ کہتے تھے، پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بار بار بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ دہنے پہلو سے مڑتے تھے (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسروں کو محروم رکھتے۔ ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے تھے:

”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملائکہ والحمد و هو علی کل شیء قدير“

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ابو حاتم کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے: اللہم اصلح لی دینی الذی جعلتہ عصمة امری و اصلح لی دنیاى التی جعلت فیہا معاشی اللہم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بعفوک من نقمتک و اعوذ بک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما

۱۵ بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اسی کیلئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔
۱۶ خدا یا میرے لئے میرا دین درست کر دے کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے، خدا یا میں تیرے فضلے سے تیری رضا مندی کے واسطے

منعت ولا یبغ ذالجد منك الجبد“ حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو: ”اللہم اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک“ نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسکے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے، یعنی یہ دو سلام سے پہلے پڑھنی چاہئے۔

سترہ (آڑ)

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اسکے قریب ہی رہتے، اگر کسی لکڑی، ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اُسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے، میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سُنن و نوافل

اگر مقیم ہوتے تو شب و روز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے، بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلم جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اسکے بعد دو مغرب کے بعد دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آ کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے (صحیحین ۶) سنت نبویؐ فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے، لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الایہ کہ کوئی عند پیش آجائے، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”لوگو! نماز (سنت) گھر میں پڑھا کر دو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے“

(بقیہ نوٹ متعلقہ ۸۶) میں پناہ لیتا ہوں، تیرے انتقام سے تیرے غم و رنج کا بچاؤ دھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں جو تو دے، سکارو کئے والا کوئی نہیں اور جو تو نہ دے اسکا دینا کوئی نہیں تیرے مقابل میں رتبہ دانا کارہ کام نہیں آسکتا۔
لے نہایا، اپنے ذکر و شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں، ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر اور وتر کی اس قدر پابندی اسلئے کرتے تھے کہ سنت فجر بمنزلہ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلہ خاتمہ عمل کے، یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے، اسی وجہ سے آپ ان دونوں نمازوں میں سورہ اخلاص اور قل یا ایہا الکافرؤن پڑھا کرتے تھے، جو نہایت جامع سورتیں ہیں، سورہ اخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے، ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اثبات صمدیت ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اسکی ذات اعلیٰ و اشرف کو ہر قسم کے نفی سے مبرا کر نیوالی ہے، ولد و والد کی نفی ہے جو لوازم صمدیت و احدیت میں سے ہے، کفو و نظیر کی نفی ہے جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے، غرض کہ سورہ اخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آگئے ہیں جنکے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحّد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں، توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے، کیونکہ جس طرح باوجود علم کے انسان اکثر مضر عمل کرتا ہے اسی طرح توحید علمی و اعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے، بنا بریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں، چنانچہ سورہ قل یا ایہا الکافرؤن میں یہی بات صاف کر دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اولین و آخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے، نیز طواف کے نفلوں اور حج میں انکی تلاوت فرماتے تھے۔

امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ شب میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی، ان سے فارغ ہونے کے بعد اٹھیں کر وٹ سے لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر

رکعتیں پڑھتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنت کے طور پر نہ تھا، بلکہ رات کو آپؐ ٹھک جاتے تھے اسلئے ذرا آرام لینے کیلئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کر دٹ سے لیٹنے میں یہ صحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اسلئے بائیں کر دٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی، آپؐ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اسلئے دائیں کر دٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پڑی ہو جائے۔ صحیحین میں قاسم بن محمدؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رات میں آپؐ دس رکعتیں پڑھتے تھے، پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے، اسکے بعد فجر کے وقت دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت باواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ سے۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نما اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی درمیانی اور اوّل رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفر میں نفل نمازیں سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے، اس حالت میں قبلہ رخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھتے، رکوع و سجود اشارہ سے کرتے تھے، سجدہ کیلئے رکوع سے زیادہ خم ہوتے تھے۔ احمد و ابو داؤد کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اسکا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے، پھر لگائیں ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے، اسی نماز کو بعض لوگوں نے ”صلوة الضحیٰ“ کا نام دیدیا ہے کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپؐ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی، چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صلوة الضحیٰ قرار دینا غلطی ہے، کیونکہ آپؐ نے ہمیشہ اسکی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثار صحابہؓ سے ثابت ہے۔

سجدہ شکر اور سجدہ قرآن

سُرت کے موقع پر سجدہ کرتے، مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے جیسا کہ مسند میں ابن ابی بکرہ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر پڑے۔

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: ”سجد دجہی للذی خلقہ وصودہ و شق معہ و بصیرہ بحولہ و قوتہ“ یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اُٹھتے ہوئے کبھی تکبیر کہی ہو یا اُس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التعمیات پڑھی ہو۔

جمعہ

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمر دین عوف کے ہاں دو شنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کیلئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آگیا، چنانچہ اُس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے، یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا، ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ اس موقع کے خطبہ میں علاوہ حمد و ثنا کے آپ نے فرمایا: اٰتٰا بعد، اِیہا النَّاسُ، قَدْ مَوَّالَافْسَکُمْ وَاللّٰہُ لَیْصَحِّقُنْ اَحَدَکُمْ

شعید عن غنمہ لیس لہ سماع شع لیس قول لہ ربہ، لیس لہ ترحمان ولا حاجب یحبہ ۱۵ لیکن بالاتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا (آخر جزء النجم) صحابہؓ کا مکمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیسا کہ سجدہ نخل میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مذکور ہے اور جیسا کہ بخاری و مالک کی روایت میں ہے۔ (ابوزید)

۱۶ میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اُسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی، اور اپنی قدرت و طاقت سے اسیں سماعت و بصارت پیدا کی۔

دونه، المر یا تـک رسول فـلـنـک و آتـیتـک مـآ لا و افـضـلت عـلیـک فـما قـدمـت
لنفسک، فلینظرن یمینا و شمالا فلا یرى شیئا ثم لینظرن قدامہ فلا یرى
غیر جہنم، فمن استطاع ان یتقی بوجہہ من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل،
ومن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ فانہا تجزى الحسنۃ بعشر امثالہا الی سبعۃ
ضعف، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سنت نبویؐ یہ تھی کہ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے، اسکے فجر میں سورۃ
المر السجدہ اور هل آتی علی الائنسین پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا ”جس
نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر میسر ہوا خوشبو لگائی، اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا،
پھر سکون و وقار کے ساتھ چل کر مسجد آیا، تحنۃ المسجد ادا کی، اس دوران میں کسی کو تکلیف
نہ پہنچائی، امام کا خطبہ توجہ سے سنا، پھر نماز پڑھی، تو اسکی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک
اسکے حق میں کفارہ ہوگی۔“ سنن میں ہے کہ فرمایا: ”کیا نقصان ہے اگر مقدرت رکھتے ہو
کہ روز کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ کیلئے ایک لباس بنالو“

۱۰ لوگو! اپنے لئے توشہ طیار کرو، بخدا تم سے کوئی اچانک مرجائیگا، اپنا گھہر بغیر گھہ بان کے پھوڑ جائیگا
پھر اسکا پودہ دگر بغیر کسی ترجمان اور حاجب کے اُس سے فرمایا: ”کیا میرے رسولؐ نے اگر مجھے میرا پیغام
نہیں پہنچا دیا تھا، کیا میں نے تجھے مال و متاع نہیں دیا تھا؟ پس بتاؤ اپنے لئے کیا توشہ لایا ہے؟ اُس
وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھنے لگے مگر کچھ نظر نہ آئیگا، پھر وہ اپنے آگے دیکھنے لگے تو بجز جہنم کے کچھ نہ
دکھائی دیا! پس جو شخص آدمی کچھ دیکر بھی دو رخ سے بچ سکتا ہے، چاہئے کہ در رخ نہ کرے، جسے یہ بھی
میسر نہ آئے تو اچھی بات نکر دو رخ سے بچے، کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، والسلام۔
۱۱ بہت سے لوگ سیلہ اور بد بودار کپڑے پہنکر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی
ہے، حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہئے کہ کوئی اُسے دیکھ کر نفرت نہ کرے،
صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ صلعم نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا حسن کی بو محسوس کی تو
فرمایا ”جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اُسے نہیں چاہئے کہ میں تکلیف دے، بلکہ بہتر ہے کہ اپنے منہ
میں بیٹھے“ (ابوزید ۱۱) اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے جسکا لوگ خیال نہیں کرتے بہت
سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جنکی بو اگرچہ خود انہیں بھی معلوم ہوتی ہے مگر مجلس میں

جمہ کے دن نمازیں لوگوں کے جمنے ہونے کا انتظار کرتے یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو برا آمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جتے ہوتے، سادگی سے تشریف لائے، سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلال رضی اللہ عنہ اٹھتے اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اسکے بعد آپ فوراً خطبہ کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے، اس وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثبات ہوتا ہے کہ جمہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنت نماز نہیں، بلکہ یہ خیال کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنت نبویؐ سے جہالت پر مبنی ہے۔

اسی طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ آپ تلوار پر ٹیک دیکے خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے۔ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ بھی منقول نہیں کہ آپ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں، البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دیکے خطبہ کیلئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مردی نہیں ہے۔

خطبہ میں سرسروہی باتیں ہوتی تھیں جنکی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ دوران خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ (بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۹۱) ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ انہذا نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اس چیز کا تعلق سرسردماغ سے ہے، ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ پھر بات بھی ملحوظ رہے کہ بت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ دھوتے نہیں، بلکہ تیل کو مل لیتے ہیں، پھر بلا تکلف مصافحہ شروع کر دیتے ہیں جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں، ہر شخص کو انکی پابندی لازمی ہے۔ (مترجم)

ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپ خطبہ دے رہے تھے، نظر پڑ گئی، تو اُسے مخاطب کر کے فرمانے لگے ”تجیۃ المسجد ادا کرو“ اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آ رہا تھا، آپ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو ”اؤ بیٹھو“ اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دئے ہیں۔ دوران خطبہ میں جب خدا کا ذکر آ جاتا یا دعا فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو کر بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سُنیں، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”جس نے جمعہ کے دن آ کے شور کیا، اُسکا جمعہ نہیں ہوا۔“ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا ”جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اُسکی مثال اُس گدھے کی ہے جسکی پیٹھ پر کتا بوں کا بوجھ لا دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے ”خاموش“ اُسکا جمعہ نہیں۔“

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو بلالؓ اقامت کہتے، آپ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ”جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر آ کے دو رکعت سنت پڑھتے تھے۔“

عیدین

عیدین کی نماز اُس عید گاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے ان دونو تقریبوں پر بہتر سے بہتر لباس زیب تن کرتے تھے۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں لاق ہوا کہتے

۱۵ بہت سے لوگ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت یا علحدہ علحدہ پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک بدعت ہے اور سنت نبویؐ میں اسکا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ اور ظہر کی نمازیں ایک ہی دن میں فرض نہیں کیں، جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ عباسؓ ثواب کے برف جہنم کی وجہ سے موجب عقاب ہو سکتی ہے۔ (ابوزید)

تھے۔ عید الضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔ عید الفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عید الضحیٰ میں جلدی کرتے تھے۔ جب عید گاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی، اس کیلئے نہ تو اذان دی جاتی تھی نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ ”الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ“ وغیرہ الفاظ پکارے جاتے تھے۔

یہ نماز دو رکعت ہوتی تھی، پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت ہوتا تھا، اس سکوت میں کیا فرماتے تھے؟ کچھ ثابت نہیں، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد و ثنا اور دو درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورہ فاتحہ پھر ”قَدْ وَالْقُرْآنِ الْحَمْدُ“ پڑھتے تھے کبھی اسکے بجائے ”سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ بھی پڑھی ہے۔ اسکے بعد تکبیر کہتے اور رکوع و سجدہ کرتے۔ سجدہ سے جب اٹھ کر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو مسلسل پانچ تکبیریں کہتے، پھر سورہ فاتحہ اور ”لِقَدْ تَوَبَّتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ“ پڑھتے، کبھی اس کی جگہ ”هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْفَاشِيَةِ“ بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دو نو رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے تھے۔ ترمذیؒ نے کثیر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلم نے عیین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاریؒ (صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے ”اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے“ اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔“

جب نماز ختم ہوتی تو اٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے، پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابرؓ کی روایت ہے کہ

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز پڑھی، بلا اذان و اقامت کے نماز شروع کی، پھر فارغ ہو کر بلالؓ پر ٹیک لگا کے کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب تھی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی (متفق علیہ) عیدین کے خطبہ میں تکبیریں زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپ کے مؤذن سعد کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خطبہ ہمیشہ الحمد للہ ہی سے شروع کرتے تھے۔ خطبہ عید کے موقع پر آپ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سنے گھر چلے جانے کی بھی اجازت دی ہے نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپ عید کی نماز سے پہلے یا تیچھے سنت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔

ہمیشہ کی سنت تھی کہ عید الضحیٰ کے موقع پر فجر، یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے آخر ایام تشریق (تیرھویں ذی الحج) کے عشر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد“

صلوٰۃ کسوف

ایک مرتبہ سورج گمن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک طویل سورت باواز بلند پڑھی، پھر طویل رکوع کیا، پھر اٹھے تو دیر تک وقوف کیا اور ”سمع اللہ لمن حمدہ“ ”ربنا لک الحمد“ کہا، پھر دوبارہ قرأت شروع کر دی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی، پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اسکے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع، دو سجدے اور دو

مرتبرات کی۔ پھر ناز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں: ”ان
 الشمس والقمر ایتان من آیات الله لا یخسفان لموت احد ولا لحياتہ
 فاذا رايتہ ذلک فادعوا الله وکبروا وصلوا وتصدقوا“ ولقد اوحى
 الی انکم تفتنون فی القبور، یؤتی احدکم فیقال له ما علیک بهذا الزجل؟
 فاما المؤمن۔ او الموقن۔ فیقول محمد رسول الله جاء بالبیات والهدی
 فامتنا واتبعنا“ فیقال له نعم صالحا فقد علمنا ان کنت لمؤمناً۔ واما المنافق۔ او
 المرتاب۔ فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون غیثاً فقلتہ“

صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ نے صلاۃ کسوف زندگی بھرتی صرف
 ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اُس دن جب آپ کے لڑکے ابراہیمؑ کی وفات واقع ہوئی۔

صلاة استسقاء

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ
 جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دیکر ہے تھے کہ پانی کیلئے دعا کی ”اللهم اغثنا اللهم اسقنا

۱۵ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کمرے جینے کی وجہ سے گھر میں نہیں
 پڑتیں یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپ کا صاحبزادہ ابراہیمؑ فوت ہوا تھا اور لوگوں نے اسنا شروع کر دیا تھا
 کہ گھر کے درمیان وجہ سے پڑا ہے آپ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کر دی جب تم ایسی حالت (گھر) دیکھو تو اُٹھ
 کو پکاردو، تکبیر کو، ناز پڑھو، صدقہ دو، جمعہ رومی آئی ہے کہ قبر کے اندر تہا! استسقاء ہوگا تم سے پوچھا جائیگا
 ”اس شخص کے بارے میں تیرا علم کیا ہے؟“ مومن جواب دیدیگا ”محمدؐ رسول اللہ ہیں ہدایت اور کھلی نشانیاں کے
 ساتھ آئے ہم نے انکی تصدیق اور پروردگی کی“ اسپر کہا جائیگا ”خیریت سے سو، ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو
 مومن ہے“ لیکن منافق اپنے سوال کے جواب میں کہیگا ”اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں میں نے لوگوں کو
 جو کہتے سنا وہی خود بھی کہنے لگا“ (یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے) اندھی تقلید کا نتیجہ ہی ہوگا کہ اس نازک
 وقت میں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے، مسلمان کیلئے دوائیں کر بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور
 آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے بولے خدا کے بل دی ایمان و عمل مستتر ہے جو علم و عقیدے کے ساتھ ہو، تقلید کچھ
 بھی مفید نہ ہوگی۔ مترجم)۔ ۱۶ پانی برسے کیلئے ناز اور دعا۔

اللّٰهُمَّ اسْقِنَا (خدا یا ہمیں پکا، ہمیں پانی دے، ہمیں پانی دے) دوسری مرتبہ اس استسقاء کیلئے عید گاہ تشریف لیگئے، خطبہ دیا جس میں ہاتھ اٹھا کے نہایت تفریح و زاری کے ساتھ دعا کی، پھر صلاۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت و اذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأتِ آواز بلند کی، پہلی میں فاتحہ کے بعد سَبِّحْ يٰ اَسْمٰوٰ رَبَّكَ الْاَعْلٰی پڑھی، دوسری میں هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاثِيَةِ تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔ چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کیلئے ہاتھ اٹھا کے دعا کی۔

سفر

نبوت کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں: ایک مرتبہ ہجرت کیلئے، بار بار جہاد کے لئے، ایک مرتبہ عمرو اور ایک مرتبہ حج کیلئے۔ جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اُسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لیگئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ دن کے اول حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے کہ خدا اُمّت محمد کیلئے اُسکے سفر میں برکت دے، اسافروں کے بائے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دورانِ سفر میں سردار بنالیں، تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ جب سفر کیلئے اُٹھتے تو دعا کرتے ”اللّٰهُمَّ الْيَاكُ تُوْجِهْتُوْ

بَاكَ اعْتَمَمْتُ، اللّٰهُمَّ اَلْفَنِيْ مَا اَهْنِيْ وَمَا لَاحِقْتَبِهْ، اللّٰهُمَّ زُوْدْنِيْ التَّقْوٰی وَ اَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَ وَجْهِيْ الْخَيْرَ اَيُّهَا تُوْجِهْتُوْا“ جب سواری حاضر کی جاتی تو رکاب پر سیر رکھتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ کہتے اور جب اُس پر چم کے بیٹھ جاتے تو فرماتے ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقَرَّبِيْنَ وَ اَنَا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ“ نیز من راتے

لے الٹی تیری ہی طرف برا قصد ہے، تجھی سے میری مضبوطی ہے، الٹی جس کی مجھے ٹکر ہو اور جس کی نہ ہو، سپہ بچا، الٹی تو شہ میں قوت ہے میرے گناہ معاف کر، اور بدر بھی میں جاؤں نیکی کیلئے مجھے لے جا۔
 ۱۰۰ تشریف اُس خدا کیلئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے سفر کر دیا اور نہ خود ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم

”اللهم هون علينا سفرنا واطوعنا بعدة“ اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الأهل“

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نمازوں کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو۔ صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو“ راہ وہ اختلاف جو حضرت عائشہؓ سے اس باب میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ باطل ہے، کیونکہ اُمّ المؤمنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہ اور تمام صحابہؓ سے اختلاف کریں، خصوصاً جبکہ خود ہی فرماتی ہیں: ”شروع میں نماز دو ہی دو رکعت فرض تھی، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر رہی“ (متفق علیہ) ابن عباسؓ کا قول ہے: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبانی تم پر حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالت خوف میں ایک ایک رکعت نماز فرض فرض کی ہے“ (مسلم)۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: ”صلوۃ سفر دو رکعت، عیدین دو دو رکعت، جمعہ دو رکعت، پوری پوری نمازیں بغیر کسی کمی کے تمہارے نبیؐ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرض ہوئیں، جو کوئی انفرار کرے اس کے لئے ہلاکت ہے“ حالانکہ حضرت عمرؓ ہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہ اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بے خوف ہیں؟“ آپ نے جواب دیا ”یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے دین کی سہولت ہے اُسے قبول کرو“

جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک نماز کر دیتے

(بقیہ نوٹ تعلقہ صفحہ ۹۷) اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اے خدا یا ہمارا سفر آسان اور اسکی دوری کم کر دے، خدا یا تو ہی سفر میں رفیق اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔

یہاں تک کہ منزل پر اُترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے غزوہ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے اگر سفر سے پہلے زوال ہو جانا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ عصر کیلئے اُترتے تو دونوں نمازیں ایک ساتھ ملا لیتے یہی طریقہ مغرب و عشاء میں بھی تھا۔

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کیلئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی، بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا ہے، تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے تعلق وارد ہوئی ہیں، اُن میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔

باقی رہا حضرت جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں، صرف عرف میں آپ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اسلئے کہ دعائیں مسلسل کھڑے رہنے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سُنتنا

ایک حزب مقرر تھی جسے ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے، قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی، ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ سے شروع کرتے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے تھے عام اس سے کہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو ہوں۔ قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے ”قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو، جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں“ اور فرمایا ”خدا نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گاکے پڑھتا ہے“ (یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سُنتا جس طرح خوش آواز نبیؐ کا قرآن سُنتا ہے)۔

دوسروں سے قرآن سُنانا زیادہ پسند کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن سُنانے کا حکم دیا، اُنہوں نے پڑھا، آپ پر رقت طاری ہو گئی یہاں تک کہ آنکھیں

اشک بار ہو گئیں۔ ایک رات ابو موسیٰ اشعرؓ کا قرآن سنا، صبح انہیں اسکی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا۔“

عیادت

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک سید ہودیؓ لڑکا آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہو گیا تو عیادت کو تشریف لیگے، اور دعوتِ اسلام پیش کی، اُس نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ آپؐ کے چچا ابو طالبؓ مشرک تھے انکی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔ عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اُسکے سر ہانے کی طرف بیٹھتے، مال پر بچھتے، صحت کی دعا کرتے، روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دیدیتے۔ جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے ”لا باس، طہور انشاء اللہ“ (کچھ ڈر نہیں، انشاء اللہ صحت ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت متقرر نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے فرماتے ”انا لله وانا الیہ راجعون“

کفن و دفن، جنازہ

آخر وقت میں بیمار کو خدا اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمہ شہادت کہلاؤ تاکہ اسکی آخری گفتگو یہی ہو۔ جب موت آئے گا تو قرآن اور تفسیر باقرآن سے مقصد اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سُننے والے کے قلوب پر اثر ہو، بہت سے ”ترتیل“ اور ”تفنی“ سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں بہتے جائیں، ہندوستان عربی لہجہ نہ ہونیکى وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حردن ملحق کو غیر طبیسی طریقہ سے ادا کرتے اور بے تنغ قرآن پڑھنے کو قرات سمجھتے ہیں، جسکے سُننے سے کبھی ہنسی آتی کبھی غصہ آتا ہے کبھی مسکین قاری پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فہم ہو سکیں گے یا اس طرح توڑ مروڑ کر قرآن پڑھنے کے بجائے سادگی سے پڑھتے۔ سادگی ہر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

واقع ہو جاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرح منہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور داڑھیں مار مار کے رونے سے منع کرتے۔ ربادل کار بخیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپ سے ثابت ہے، آپ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے: تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب (آنکھ روتی ہے، دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہیں گے وہی جس سے پروردگار راضی ہو) سنت نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے، لَا تَالَهُ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے، اور چہرہ اور جسم چھپا دیتے، مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے، مردہ کو خدا کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اُسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور سفید کپڑے میں کفنا تے، پھر نماز جنازہ پڑھتے۔ شہید کو نہ ملتا تے جیسا کہ امام احمد کی روایت میں ہے کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے، البتہ چھڑے اور لوسہ کی چیزیں اس سے علیحدہ کر دیتے، پھر اُسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اُسے سپرد خاک کر دیتے۔ مُحْرَم (رج میں) اگر مر جاتا تو اُسے پانی اور بیری کی پتی سے غسل دینے، احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے، اور اُسکا سر ڈھکنے کا حکم دیتے مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کے زیادہ قیمتی ہونے سے منع کیا ہے، خود اُس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپ کے صحابہؓ کو کفن بھر کپڑا بھی نصیب نہ ہوتا تھا، چنانچہ رسول خداؐ نے صحابہؓ کو اس حال میں بھی دفن کیا ہے کہ پورا کفن موجود نہ تھا، اگر سر ڈھکنے تھے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کیلئے سنت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیتے۔

۱۔ اللہ! اللہ! رسول کے صحابی اُس طرح دفن ہوں اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے! حالانکہ زندہ فقرو فائدہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح مُردوں سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں مگر اُن پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم برباد ہے مگر مقبرے آباد ہیں، مسجدیں دیران ہیں، تعلیم کا یہ غنود

جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الایہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو خود جنازہ میں شریک نہ ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دیدیتے، یہ اسلئے کہ آپکی نماز درحقیقت مردہ کیلئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی، مردہ بغیر اسکے کہ اسکا قرض ادا ہو، جنت میں نہیں جاسکتا، پھر آپ اسکی شفاعت کیونکر کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مالی حالت درست کر دی تو آپ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے، میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے، اور اسکا مال و متاع وارثوں کو دیدیتے تھے۔

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، حمد و ثنائے الہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلم کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ، چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے، یہ تمام احادیث آثارِ صحیح ہیں اسلئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جاسکتی ہیں، ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔

ابن عباسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ باذان بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا، یہ اسلئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت ہے۔ ابو امامہؓ بن سہل کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہئے۔

(فقہیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۰۱) میں اور جو یہ سسک رہی ہیں مگر قبروں پر چاندی سونا پڑاٹ رہا ہے، کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے خدا بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی مدھرتی، اگر صرف دس سال کیلئے مسلمان عرس اور نیاز فاتحہ بند کر دیں، اسکے مصارف قومی کاموں میں دیدیں تو بالکل حالتِ تباہی جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت باقی نہ ہے۔ لیکن یہ دلائل کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے! (مترجم)

نماز جنازہ سے مقصود میت کیلئے دعا کرنا ہے، بعض دعائیں آپ سے مروی ہیں،

مثلاً ”اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنه واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وادخلہ الجنة واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار“ نیز یہ دعا ”اللھم من احيینہ منافحیہ علی الاسلام والسنة ومن توفیتہ منافتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتننا بعدہ“ نیز یہ دعا ”اللھم انت ربھا وانت خلقتھا وانت ہدیٰھا للاسلام وانت قبضت روحھا وتعلم سرھا وعلانیٰھا جننا شفعا فاغفرلھا“

سنت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے اس کیلئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی، اب موقعہ مل جاتا نماز پڑھ آتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اس کے سر کے پاس کھڑے ہوتے، اگر عورت تو کمر کے پاس۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرما ”اپنے بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خمیہ ہونگے“ (ابن ماجہ) خود کشتی کرنیوالے اور مال غنیمت چرانے والے پر نماز نہ پڑھتے تھے۔

جب نماز جنازہ پڑھ چکے تو مقبرہ تک اس کے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے، حکم دیا ہے کہ سوار میت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے پیچھے، دائیں بائیں، چہرہ چاہیں چلیں۔ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا

سنة، وہ ایسا کسی مغفرت کر اس پر رحم کر اسے بچا، معاف کر، اس کا اتنا اچھا کر، اس کا دروازہ کشادہ کر، اسے پانی، برق اور نیک میں غسل دے، جنت میں داخل کر، قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۵۷ خدا یا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے، اسلام اور سنت پر زندہ رکھ، اور جسے موت دے، ایمان پر دے، خدا یا اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر، اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔

۵۸ الہی تو ہی، اللہ رب ہے تو ہی نے اسے پیدا کیا، تو ہی نے اس کی اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور اب تو ہی نے اس کی روح قبض کر لی، تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے، ہم شفاعت کیلئے حاضر ہوتے ہیں، اسے بخشدے۔

آجکل لوگوں کا ریٹنگ ریٹنگ کے خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جبکہ ترک ضروری ہے، حضرت ابو بکرؓ تو ایسے لوگوں کو درّے لگاتے اور فرماتے تھے، ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنازے تیز تیز لے جاتے تھے۔“

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری، چوڑی اور برابر ہوتی تھی، قبر کا اونچا بنانا یا پختہ، خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبویؐ میں نہ تھا، بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے مین بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے، عمارت بنانے اور کتبہ لگانے سے منع کیا ہے، سنت یہ تھی کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوتی، اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ“ طلوع وغروب اور بیچ دوپہر کے اوقات میں دفن نہ کرتے تھے، دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میت کے قبر میں ثابت قدمی رہنے کیلئے دعا فرماتے۔ آجکل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآن خوانی کیلئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا، رہی طبرانی کی ابی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے، تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

میت کے عزیز و اقارب کی تعزیت فرماتے تھے اس کے لئے نہ تو مجلسیں کرتے نہ قرآن خوانی کیلئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر لوگوں کے کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے اُن کے ہاں بھیج دیں۔

زیارت قبور

جب قبور صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو اُن کے حق میں دعا کرتے، اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے، یہی وہ زیارت قبور ہے جو امت کے لئے

مشرع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے ”السلام علیکم اهل الذیارت من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون“ نسأل اللہ لنا ولكم العافیة“ (اے دیارِ مؤمنین و مسلمین کے رہنے والو تم پر سلام ہو، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں) سنتِ نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے، انہیں روندنا، ان پر بیٹھنا یا ان سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے، انہیں مسجد قرار دینا، ان کے پاس یا انکی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، عرس کرنا، لوگوں کا انکے گرد جمع ہونا، روشنی کرنا، یہ سب باتیں ناروا ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر نیوالوں پر لعنت کی ہے۔

لیکن آجکل کیا ہو رہا ہے پوری قبر پرستی جاری ہے، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں جن میں تقریٰ و طلاق دروانے لگائے ہوئے ہیں، سنگ مرمر کا فرش ہے، قیمتی چادریں اور پرے لٹکے ہوئے ہیں، مسلمان انکے گرد طواف اور کعبہ و مسجد و قیام میں مصروف ہیں، تہنیں مانی جاتی ہیں، دعائیں کی جاتی ہیں اور خدا سے زیادہ اتم و محبوب پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل شق ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیانِ علم و تصوف کا طرزِ عمل ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض و منفعت کیلئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں، بھوئی اور موضع حدیثوں سے اسکا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور مکائد سے کام لیکر عوام کو ایسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں، اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت و ضلالت پر معرض ہوتا ہے تو اُسے تو بائی بچری ”دہری“ طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض دنیا سے دل پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں، اور اسلام کی توحید و تنزیل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی، مسلمانوں کی عبرت کیلئے درج کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۳۷ء میں جبکہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یو۔ پی۔ کے سب سے بڑے ہندو لیڈر نے عرس کی تمام رسمیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف و سجدہ دیکھ کر اتنا مانی مہرت اور خلوص نیت سے کہا ”لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے، لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے، کیونکہ حقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں، ہم دونوں کے سامنے بھلکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے، ہمارے رام، لکھمن، کرشن اور مہا دیو ہیں اور مسلمانوں کے..... پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا، صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا !!!“ یہ اس نیک دل ہندو رہنما کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھ کر اُسے ہوا

صدقہ و زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے، سونے چاندی، مال تجارت اور چوپائے، بٹے، حساب نوروں، راونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکری، میں سالانہ ایک مرتبہ، کھیتی اور پھلوں میں طیاری کے وقت، سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں، بلکہ صاحب مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اسکا حساب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو دوات بغیر کسی محنت کے بطور دھیندہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے، جو کھیتی یا باغ بلا آبپاشی کی محنت کے طیار ہو اُس میں دسواں حصہ ہے، لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو، اس میں بیسواں حصہ ہے، ایسا مال بیسکی ترقی کیلئے لگا، تاہم محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ ہے۔ ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۱۶ ۱/۲ تولہ) ہے، چاندی کا دو سو درہم (۱۶ ۱/۲ تولہ) عند اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من) بھیڑ بکری میں چالیس راس، گائے میں تیس،

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۰۵) مسلمانوں کے پاس اسکا کیا جواب ہے ؟

تعجب ہے کہ انسان خدا کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، حی و قدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کرنے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں خدا سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں، کیا یہ بزرگ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں، کیا خدا معاذ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اُسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت و خودداری کے بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتیں، مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں، مگر جب تک تم یہ کفر و شرک دو ہم پرستی نہ چھوڑو گے اُس وقت تک خوشحالی و سرخروئی سے دوچار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کر دے تو معلوم ہو گا کہ اسکا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں، سینکڑوں برس قبر پرستی کا تجربہ کر چکے اور بجز بدن دہنی رات چوگنی بربادی کے کچھ حاصل نہ ہوا، کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی تجربہ کر لو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدر اقل) کامیاب ہو چکے ہو اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری افسانہ خوان ہے! (مترجم)

اونٹ میں پانچ۔ صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے :
 فقیر، محتاج، زکوٰۃ کے محصل، نو مسلم جن کی تالیف قلب مقصود ہو، غلامِ غلامی سے
 آزاد ہونے کیلئے، قرضدار، مجاہدین فی سبیل اللہ اور مشافروہ سنت نبویؐ یہ تھی کہ ہر
 جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کر دی جانی، اگر کچھ بچ رہتی تو منگا کر دوسری
 جگہ کے لوگوں کو بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اُسے خود دے دیتے
 اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دیدیتے ”مالدار اور
 کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کیلئے زکوٰۃ نہیں ہے“

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اُسے دعا دیتے، کبھی فرماتے : ”اللہم باریک فیہ
 و فی اہلہ“ (خدا یا اسے اور اس کے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے : ”اللہم صل
 علیہ“ (خدا یا اس پر تیری صلوة ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کے نہ لیتے، صرف
 درمیانی درجہ کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔ صرف دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے
 سے منع کرتے۔ مالدار کیلئے بھی اجازت تھی کہ اُس صدقہ سے فائدہ اٹھائے جو غریب کو
 دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کر دے، چنانچہ بریڑہ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا،
 اُس نے خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور کہا ”بریڑہ
 کیلئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اسکی طرف سے تحفہ“ کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کالوں کے
 لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت
 عباسؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

تخصیلا در صرف ان لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے ہاں محسوس دولت ہوتی
 مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں
 کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں
 کتنی کھجور ہوگی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں

تاکہ آفاتِ سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو، تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں اگر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبداللہ بن رواحہ کو انکے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کیلئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے ”حرام کا لالچ دلاتے ہو! بخدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوئروں سے بھی ادنیٰ ہو، لیکن اُس انسان کامل کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دیگی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کرونگا“ اس پر وہ لوگ کہتے ”ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں۔“

صدقہ فطر

صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، اپنی طرف سے اور اُن لوگوں کی طرف سے جنکی کفالت کرتا ہے۔ اسکی مقدار چھوارے، خشک انگور، پنیر یا جو سے ایک صاع ہے، امام احمد و ابو داؤد کی روایت ہے کہ گیسوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔ سنت نبویؐ یہ تھی کہ نماز عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے، حدیث میں ہے: ”نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات“ صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلم نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے“ ان دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں، اسکے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے، پس جس طرح نماز کے بعد صدقہ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کیلئے ذبح کی گئی ہے۔ حمد نبویؐ میں صدقہ فطر صرحت مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔

۱۰ صاع کا وزن قریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

نہایت

جو دو سخا میں حضور اقدس تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم، چیز دیکر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔ سخا کے مختلف طریقے تھے کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر، کسی کو ہدیہ کہہ کر، بار بار یہ ہوتا کہ چسینہ خریدتے اور قیمت سے زیادہ دیدیتے یا چیز اور قیمت دونوں بخش دیتے، قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

روزہ

روزہ سے مقصود، محبوباتِ نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کیلئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صفتِ بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔ روزہ کے فوائد و اثرات عجیب و غریب ہیں، وہ ظاہری و باطنی قویٰ کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دُور کرتا اور ردی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے۔ روزہ، قلب اور دیگر اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ کی تنگی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنا بریں روزہ کو روحانیت میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے اور تقویٰ و طہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (۲: ۱۸۳) (مسلمانوں! روزہ تم پر بھی اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔) حدیث میں ہے: ”الصَّوْمُ جُنَّةٌ“ (روزہ سپر ہے) رسولِ خدا سلم ان لوگوں کو جو مسائل کی عام موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور

فرماتے روزہ اس خواہش کو دبا دیتا ہے۔

چونکہ محبوبات ولذا نڈکا ترک کرنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، مسلمانوں میں اسکی فرضیت نازل ہوئی جبکہ دلوں میں توحید پوری طرح رائج ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہِ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے طیار ہو چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیا سے فانی میں رہے اور نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

بوطرسوں اور عورتوں کو اجازت ہے کہ اگر روزہ نہ رکھ سکیں تو افطار کریں اور اسکے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کیلئے بھی جائز ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں، لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور نہ بچے کیلئے منفرت کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں، کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ صرف قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تنہا آدمی کی ہے جو روزہ شیر رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھلانا بھی واجب ہے۔

مسلمان حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق اربعہ کلمہ کی تو غیر واضح ہے، عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہے جن کیلئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف قضا کرنا دینا کافی ہے، کیونکہ جس وضاعت کا مسئلہ نو سال ہجر تک برابر جاری رہا، اور عورت کو قضا کی ہدایت ہی کہاں ملیگی؟ قرآن سے بھی مترشح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی عورت کو ان کی اجازت دی ہے، ایک تو مریض و مسافر ہیں جو قضا کرینگے قدیہ نہ دیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کیلئے روزہ کھانا بہت دشوار ہے، ان کیلئے صرف قضا ہی ہے، قضا نہیں۔ قرآن میں ہے: قَمَنَ كَانَ مِنْكُمْ قَرِيضًا اَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ خَيْرٌ لَّكَ عَلَى الصِّيَامِ وَذَرِ النَّصِيحَةَ طَعَامٌ مِنْ اَيَّامٍ مِثْلِكَ بِهَا (۲۱۸) (۲) تم میں سے بیمار ہو یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے اور جو لوگ سخت شہت سے روزہ رکھ سکیں جن کو وہ ایک مسکین کو

جب دو شاہد اگر ہلالِ عید کے دیکھنے کی شہادت دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا ہوتا تو فوراً روزہ افطار کر دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے۔ روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے، عموماً تڑکھور سے کھولتے، اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے، ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے! افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اللهم صلِّ صحت وعلیٰ رزقك افطرت“ (خداوند! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا) بعض حدیثوں میں ہے کہ اُس وقت فرماتے: ذهب الظما وابتل العروق وثبت الاجران شاء الله“ (ابو داؤد) (پیس چلی گئی، رگ چٹھے تر ہو گئے، اور ثواب انشاء اللہ قائم ہو گیا)

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آ گیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہؓ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۱۰) کھا نا کھلا دیا کریں) حامل ومرض عوزیں بھی اسی گروہ میں داخل ہیں جیسا کہ امام احمد و اصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حامل ومرض پر روزہ کا بار نہیں رکھا، نیز اسی جہات میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں، کیونکہ انیں قضا کا وقت کبھی نہیں مل سکتا۔ شیخ محمد عبیدہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک اُن مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے مثل کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اسکا متمثل ہے، لیکن اس میں وہ عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف بڑاشت کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی اس کمزوری کا علاج بجز اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت یہ بھی ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ ۖ أَفَلَا تُحْسِنُونَ كَلِمَاتِكُمْ ۚ وَغَافَلَ عَنْ كَلِمَتِكُمْ ۚ فَاَلَانَ بَاسُورُهُمْ ۚ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى الْكَعْبِ ۚ (روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرح رخت کرنا جائز ہے، وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم اُن کیلئے ڈھانے والی یا کتم اپنے نفوس سے خیانت کرتے تھے، پس صاف کر دیا تمہیں اب ملا کر دُاُن سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تاریات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے، پھر پورا کرو رات تک روزہ کو۔) (ابو زید)

کو بھی اجازت دیدی تھی کہ جسکا جی چاہے روزہ رکھے اور جسکا جی چاہے افطار کرتے لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو افطار کرنے کا حتمی حکم دیدیتے تاکہ چپتی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دو نومرتبہ افطار کیا، پہلا موقعہ بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔ سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ متعید نہیں کیا بلکہ ہر اس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعین مسافت کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

صحابہ جس وقت سے سفر شروع کرتے روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنت نبویؐ ہے جیسا کہ عبید بن جریحؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابوداؤد و احمد) اور جیسا کہ محمد بن کعبؓ کی روایت میں ہے: ”میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کیلئے بالکل طیار تھے، جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا، میں نے پوچھا یہ سنت ہے؟ فرمایا لگے ہاں، یہی سنت ہے“ (ترمذی)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مفاربت فرماتے، صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔ روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ استنشاق رناک میں لے قرآن میں ہے: اَذْعَلِ سَفَرًا (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق ”سفر“ فرمایا ہے، یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اتنے میل ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں، کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں یہاں لگئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں، شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے، حالانکہ مسافت بہت کم تھی، اتنی کم کہ اس مسافت کا رسول صحت بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابوزید)

پانی لینا اسے منع فرمایا ہے، فصد کھلوانا ثابت نہیں، لیکن سر نہ لگانا مروی ہے۔
اگر کوئی بھولے سے کھاپی لیتا تو اسے نہ تو روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ
قضا کرنے کا، بلکہ بھول چوک کو معاف کر دیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ
نیکی کے کام کرتے، قرآن کی تلاوت و مزاوت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی

نفل روزہ

نفل روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑینگے
اور کبھی چھوڑ دیتے تو معلوم ہوتا اب نہ رکھینگے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے
روزے کبھی نہ رکھتے، تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے، اسکے لئے عموماً
دو شنبہ اور پنجشنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب، شعبان اور رمضان کے
روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنت ہے، حالانکہ سنت نہیں۔ رجب کے
روزے آپ نے کبھی نہیں رکھے، نہ پسند فرمائے، بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن
ماجرہ میں مذکور ہے۔

میمیین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ
رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے
اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا، موسیٰ رطیہ
السلام بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ”تو ہم تم سے زیادہ
موسیٰ کے حقدار ہیں“ چنانچہ عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو بھی اسکا حکم دیا۔
میمیین میں ہے کہ عرفات میں نہ خود آپ نے روزہ رکھا اور نہ صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔
اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے ”کچھ کھانے کو ہے؟“ اگر جواب ملتا
”نہیں“ تو فرماتے ”میں روزہ رکھے لیتا ہوں“ کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے، پھر کچھ
سوچتے اور افطار کر ڈالتے، اسکا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے، ایک

حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری نسائی نے۔

اعتکاف

آپ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کیلئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگادیا جاتا تھا اور تنہائی میں رب العزۃ کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا، اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا ذکر ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلے تھے کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ جاتے لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں کر بیٹے، وہ باوجود ایام سے ہینکے اسے دھوئیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے ان سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے، واپسی پر انکی مشائعت بھی کرتے تھے۔

حج وعمرہ

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرہ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے تھے۔ آپ نے جتنے

حج کی تین صورتیں ہیں: قرآن، تنمیع، افراد۔ قرآن وہ ہے جس میں حج و عمرہ کی ایک سلسلہ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جب تک تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ تنمیع وہ ہے جس میں بیقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے، کئے میں اگر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کیلئے از سر نو احرام باندھا جاتا ہے۔ افراد وہ ہے جس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے، پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

عمرہ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ، سعی ما بین صفا و مروہ، سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرنا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب کہیں اگر ان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں یعنی اسکے لئے خوشبو لگانا اور مباشرت کرنا سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ (مترجم)

عمرے کئے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، یہ ثابت نہیں کہ مکہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کیلئے باہر گئے ہوں جیسا کہ آجکل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔

ہجرت کے بعد صرف سالہ میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ سالہ سے پہلے وہ فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ آیت ”وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ“ (۲: ۸) حج اور عمرہ کو اللہ کیلئے پورا کرو) سالہ میں نازل ہوئی، لیکن جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس سے فرضیت حج ثابت نہیں ہوتی، اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیت کر لو تو اسے پورا کرو۔

جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا، روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اسکے احکام تفصیل بیان فرمائے، ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی، پھر اندر تشریف لیگئے، تیل ڈالا، کنگھی کی، تہ بند باندھی، چادر اوڑھی اور ۶۔ ذی القعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام ”ذوالحلیفہ“ میں ہوئی، نماز عصر کا قصر کیا، رات بھر یہیں رہے، ایک ایک کر کے تمام ازواج کے ہاں گئے، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی، ازار و رداء کا احرام باندھا، ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلیٰ پر سے ہی حج و عمرہ کیلئے آواز بلند تلبیۃ کیا۔ یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کے لئے کوئی نماز پڑھی ہو۔ جو اس طرح ثابت ہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، ان الحمد والنعمة لك والمملك لا شريك لك“ یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیسا کہ آجکل بہت لوگ کرتے ہیں۔

۱۔ خداوند! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں جیسے ہی لئے ہیں، حکومت بھی تیری ہے تیرا کوئی سا بھی نہیں۔

ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کے ہاں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے، انکی ماں کا نام اسماء تھا، ولادت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ عائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام روماد میں پہنچ گئے، یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفہ پیش کیا، آپ نے قبول فرمایا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محرم کیلئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے، آپ نے فرمایا ”وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں، صرف طواف نہ کرنا“

مکہ پہنچے تو حکم دیا جنکے ساتھ قربانی کے جانور نہیں، صرف عمرہ پر اکتفا کریں: طواف کریں، صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اتار دیں۔ اس پر سراقہ ابن مالکؓ نے دریافت کیا: یہ حکم صرف اسی سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ فرمایا ”ہمیشہ کیلئے“ اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوں نے روایت کیا ہے جنکی احادیث نہایت صحیح ہیں، انہیں میں ایک حدیث ہے کہ فرمایا: اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اتار دیتا، مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا، صحابہؓ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸۔ ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیت باندھی۔

مکہ میں داخل ہونیکے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی جوش سے فرمانے لگے: **اللهم زد هذا البيت تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابةً** (طبرانی) مسجد میں آئے تو سیدہ کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیۃ المسجد ادا کی کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ، طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اُسے چھوا مگر اسکے لئے نہ نکشاکش کی، نہ پورے جسم سے اس کے

اے خدا اس گھر کی بزرگی، اعزت، حرمت اور عظمت اور زیادہ کر۔

مجاہد میں کھڑے ہوئے نہ رکن یانی کی طرف رخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ طواف کیلئے کوئی حنص
 زینت زبان سے کچھ کہہ سکے کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ باہل
 کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سا رخ کیا، اُسے چھو، اور
 اپنے داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجر اسود اور رکن یانی
 کے درمیان) کے مابین پہنچے تو فرمایا: ذَبْنَا اِيتَانِي لَدُنِّيَا حَسَنَةً وَفِي الْاُخْرَى حَسَنَةً وَذَبْنَا
عَذَابَ النَّارِ (۲: ۹) طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتاری تیز تھی اور
 جسم جھومتا تھا، باقی میں جھومنا موقوف کر دیا مگر چھوٹے چھوٹے ڈگون میں تیز چلتے رہتے
 چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سر اہنل کے نیچے سے نکال کے کندھے پر ٹٹال لیا تھا،
 جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھل گیا تھا۔ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے
 آتے تو اُسکی طرف اشارہ کرتے، ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اُسے مس کرتے اور
 پھر لکڑی کا بوسہ لیکر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی
 ثابت ہے۔ رکن یانی کو بھی چھوتے تھے مگر اسکا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب
 رکن یانی کو چھوتے تو فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اور جب حجر اسود کے سامنے
 آتے تو کہتے: اللّٰهُ اَكْبَرُ

طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی وَاتَّخِذُوا
مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّیٰ (۱۵: ۱) پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد
حَلِّیْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔ پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے، جب قریب
 پہنچے تو آیت لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ الْمَرُوۡۤۃُ مِنْ شَعَاۤئِرِ اللّٰهِ (۲: ۳) پڑھ کے فرمایا جس سے
 ندانے ابتدا کی ہے اُسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ صفا پر چڑھ گئے، جب کہ منظر
 ۱۵ اے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

۱۶ مقام ابراہیم میں نماز پڑھو۔

۱۷ مفاد مردہ شائخ الہی میں سے ہیں۔

آیا تو کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لا الہ الا اللہ وحده وهو علی کل شیء قدير، لا الہ الا اللہ وحده، انجذ وعدہ ونصر عبدہ وهزم الا حزاب وحدہ^{۱۵} پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے۔ مروہ پر بھی چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو تکبیر و تملیل کی۔ پھر صفائی طرٹ لوٹے یہاں تک کہ سعی کے سات دور پورے ہو گئے لیکن طوان کے برخلاف اس میں جھوٹے نہیں۔

سعی کے بعد ان تمام لوگوں کو جنکے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے پھر ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے، خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لانا، عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

مکہ میں جب تک مقیم رہے، نماز برابر قائم پر پڑھتے اور قصر کرتے رہے پنجشنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ ہٹی کو روانہ ہوئے راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنہوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ ہٹی پہنچ کر ظہر و عصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے صحابیہ میں سے بعض تلبیہ کرتے تھے اور بعض تکبیر آپ دو نو کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔ جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ دیا اور کھڑے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت

۱۵ بھرا اللہ احد کے کوئی خدا نہیں، اسی کی عبادت ہے، اسی کے لئے ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ بھرا اللہ احد کے کوئی خدا نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کو فتیاب کیا اور تمام جہنموں کو تنہا توڑ دیا۔ ۱۶ حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ نے متعدد خطبے دئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ روایت ابن مسعودؓ سے منقول ہے:

”ایہا الناس! اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا انقاکم بعد عامی هذا بہذا الموقفت ابدًا۔ ایہا الناس! ان دماءکم و اموالکم علیکم حرام الی تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا و کحرمة شہرکم

آگیا بلالؓ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کیلئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے

بقیہ نوٹ متعلقہ ۱۱۸) ہذا، وانکم ستلقون ربکم فیسا لکم عن اعمالکم، وقد بلغت، فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنه علیها، وان کل رباً موضوع ولکن لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون تفصی اللہ انہ لا رباً وان رباً عباس بن عبد المطلب موضوع کلمہ وان کل دمر کان فی الجاهلیۃ موضوع وان اول دماً شکموا ضعیف دماً ابن ربیعۃ بن الحارث بن عبد المطلب (وکان صتر ضعیفی بنی لیث فقتلته ہذیل) فہو اول ما ابدأ بہ من دماء الجاہلیۃ۔ اما بعد ایہا الناس، فان الشیطان قد یثس ان یعبد بأرضکم ہذا ابداء لکنہ ان یطع فیما سوی ذلک فقد رضى بہ ما تمقرون من اعمالکم فاحذروہ علی دینکم..... ایہا الناس ان لکم علی نسا شکر حقاً ولهن علیکم حقاً، علیہن ان لا یوطئن فرشکم احداً تکرہونہ وعلیہن ان لا یأتین بفاحشة مبینۃ، فان فعلن فان اللہ قد اذن لکم ان تھربوہن فی المضاجع وتضربوہن ضرباً غیر مبرح فان انتھین فلهن ذر قہن وکسوھن بالمعصروت واستقروا بالنساء وخیرا فانھن عندکم عوان لا یملکن لافسھن شیئاً وادعکم انما اخذتموھن بامانة اللہ واستحلتم فروجھن بکلمات اللہ، فاعقلوا ایہا الناس قولی فانی قد بلغت۔ وقد ترکت فیکم ما ان اعصمتم بہ فلن تضلوا کتاب اللہ ومنہ نہیہ ایہا الناس اسمعوا قولی واعقلوا تعلمن ان کل مسلما خ للمسلم وان المسلمین اخوة فلا یحل لامریء من اخیه الا ما اعطاه عن طیب نفس منہ فلا تظلمن انفسکم اللہم هل بلغت..... الناس قالوا نعم فقال رسول اللہ صلعم اللہما شہد

(ترجمہ) لوگو! میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ ”لوگو! تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غصب) قیامت تک کیلئے اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے تم عقرب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ میں نے تمہیں جتنا دیا پس جس کسی کے پاس امانت ہو اسکے مالک تک پہنچائے۔ ہر قسم کا سود باطل ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو، سود چھوڑ دو، اس طرح نہ تم پظلم ہو گا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو گے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں، عباس بن عبد المطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ باہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب آپ کے بھتیجے کا خون ہے، باہلیت کے خونوں میں اسی خون سے میں ابتدا کرتا ہوں۔ رگوں، شیطان مایوس ہو گیا ہے۔ اور اب عہد نہیں ہے کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں پوجا جائے، لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو، اگر انہیں میں اسکی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہے گا پس اسکے کمرے

اقامت کی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہل مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر جمع کیا، آپ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا اور نہ جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۱۸) پھر: لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔

تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھردوں میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، نیز کوئی کھٹی ہوئی بُرائی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو، مگر بہت سختی سے کریں۔ اور جب باز آجائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ ابھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ۔ عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو، وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں، تم نے اللہ کی ضمانت پر انہیں لیا ہے اور اللہ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، لے لوگو! میری بات خوب سمجھ لو، میں نے اچھی طرح جتا دیا۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اُسے مضبوطی سے لئے، وہ گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ لوگو! میری بات سنو اور خوب سمجھ لالچان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، پس مسلمان کیلئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے برضا و رغبت دیدیا ہے، ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو، کیا میں نے جتا دیا؟ سب نے کہا ہاں جتا دیا! اس پر فرمایا: خداوند! تو گواہ رہو!“

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے، آپ اُن سے فرماتے کہ پکار کے کہو: ”لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں کہ جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟“ وہ پکار تے۔ لوگ جواب دیتے ”یہ ماہ حرام ہے“ آپ فرماتے کہو: ”خدا نے قیامت کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے!“ پھر فرماتے کہو: ”لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا مقام ہے؟“ لوگ جواب دیتے یہ بلدا الحرام ہے، آپ فرماتے کہو: ”خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے!“ پھر فرماتے کہو: ”لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟“ لوگ جواب دیتے ”یوم الحج الاکبر“ فرماتے کہو: ”خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!“ مسلمان جواب دیں کیا، اپنے نبی کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مستدرج)

کہ آپ نے ان سے فرمایا تھا ”تم اپنی نماز پوری کر لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں“ حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے کیونکہ یہ حدیث اس موقع کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر تضرع و زاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جاسکتا ہے۔ آپ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھے ہوئے تھے گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعا یہ تھی: اللھم لاک الحمد کالذی نقول ونخیر امتا نقول اللھم لاک صلاتی و نسکی و دعای و ماتی و الیک مآبی ذلک ترائی، اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر و وسوسة الصدر و شتات الاہل اللھم انی اعوذ بک من شر ما تجی بہ التریح، (ترمذی)

یہیں آیت ”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَنِّمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا“ (۵: ۶) نازل ہوئی۔ اسی موقع پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کے مر گیا تو حکم دیا کہ بیر کی پتی اور پانی میں نہ ملایا جائے اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے، خوشبو نہ لگائی جائے، سر اور چہرہ بھی نہ دھکا جائے۔

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے اسامہ بن زید سوار تھے۔ آپ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے ”لوگو! وقار سے چلو، نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے“ درمیانی رفتار سے مسلسل تلبیہ کرتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک

لے خداوند اتری دوستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خداوند! میری نماز، عبادت، جینا، مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے، تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے اور تو ہی میرا وارث ہے۔ خداوند! قبر کے غلاب، دل کے دوسوہ اور حالات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔
خدا یا ہر قسم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

کہ مزدافہ پہنچے۔ یہاں فوراً وضو کیا، بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اُتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اُتر چکے تو عشا کے لئے صرف اقامت کھلائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے، اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ کمزور عورتوں اور بچوں کو طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ پھینکیں (ترمذی وغیرہ)

نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے، مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا و انابت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھا کر تلبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہیں راستہ میں حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کیلئے سات کنکریاں چُن دیں، جنہیں مُٹھی میں لیکر چھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے ”ایسی ہی کنکریاں پھینکو، دین میں غلو مت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا“، اسی راستہ میں بنی خشم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا، آپؐ نے جواب دیا کہ تو اُسکی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر فضل بن عباسؓ جو خود بھی حسین تھے اُسے گھور رہے تھے اور اُس کی نگاہیں انکی طرف تھیں، آپؐ نے دونو جوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے آڑ کر دی!

جب وادی محضر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی، آپؐ کا طریقہ یہی تھا کہ جب اُن مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکلیاتے۔ یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔ مٹی پہنچے تو زوال کے بعد لے یہ اخلاق نبویؐ تھا، اگر ہمارے ہاں کے یہ متعصفت لوگ ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے!

حجرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے، اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے، اب تلبیتہ موقوف کر دیا تھا۔ اُسامہ اور بلالؓ ساتھ تھے، ایک اونٹنی کی ہمار تھا مے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کیلئے کپڑا تانے کھڑا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مخرم کیلئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

رمی الحجار کے بعد پھر قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمتِ عظمت اور مکہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اسکی اطاعت کرو اور مناسک حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جائے نا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو! اور فرمایا: ”ظالم خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، جو تمہیں حکم دیا جائے اسکی اطاعت کرو، اور ان سب کے عوض اپنے رب کی جنت لو،“ اسی موقعہ پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کسی جسکی مناسبت سے اس حج کا نام ہی ”حجۃ الوداع“ پڑ گیا۔ پھر قربانگاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے ۶۳۔ اونٹ دستِ مبارک سے ذبح کئے، کل سو اونٹ ہمراہ لائے تھے، باقی کے ذبح کرنے کا حضرت علیؓ کو حکم دیدیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو خیرات کرو، قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا، اسکی مزدوری ہم اپنے پاس سے دینگے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا، اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: حجۃ الوداع میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ

صلعم نے ازواج مطہرات کی طرف سے (جنکی تعداد تو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔
 منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور
 پھر بائیں طرف کے بال لے لے، صحابہؓ میں سے اکثر نے سر منڈا دیا اور بعض نے کتریاں
 پر اکتفا کیا۔ ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی ”طواف الافاضہ“ کیا، پھر
 زمزم پر آئے تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ فرمانے لگے ”اگر ڈرنہ ہوتا
 کہ مخلوق تم پر هجوم کر دیگی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا، انہوں نے
 ڈول آگے بڑھا دیا اور آپ نے کھڑے کھڑے پی لیا۔ اس کے بعد پھر منیٰ تشریف لیگئے
 اور رات وہیں بسر کی۔ صبح ہوئی تو زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے اور حجرہ اولیٰ
 سے شروع کر کے تیسرے حجرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری
 پر تکبیر کہتے اور جب سات پوری ہو جاتیں تو ماتھے اٹھانے کے دعا کرتے، لیکن تیسرے حجرہ
 پر دعا نہیں کی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس آگئے۔ یہیں منیٰ میں یوم النحر کے
 دوسرے دن پھر خطبہ دیا۔ اسی موقعہ پر سورہ اذاجاء نازل ہوئی جس سے آپ کو یقین
 ہو گیا کہ بس سفر آخرت قریب ہے، لوگوں کو بھی اشارۃً اسکی اطلاع دیدی تھی جیسا کہ
 بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔ منیٰ میں کل تین دن مقیم رہے یہاں تک کہ جب آیام تشریق
 ختم ہو گئے اور رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کو ظہر کے بعد کوثر
 کر دیا۔

مکہ آئے تو رات کو پچھلے پہر طواف الوداع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا کہ
 مجھے آیام شروع ہیں، آپ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمانے لگے ”تو کیا تم نہیں
 رکنے پر مجبور کر دو گی؟“ لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں
 تو مدینہ روانہ ہو گئے۔

لے اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کیلئے وہ سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی
 کیلئے جائز ہیں۔

ایام منیٰ میں حضرت عباسؓ کو اجازت دیدی تھی کہ مکہ ہی میں رات گزارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتر بانوں سے بھی کہدیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔

مدینہ کے راستے میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسکا بھی حج ہو گیا؟ فرمایا ”ہاں اس کا حج ہو گیا اور تجھے ثواب ملا“

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر آئینوں، تائبوں، عابدوں، ساجدوں، الربنا حامدون۔ صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ دھرم اہل احزاب وحدہ ﷺ

قربانی اور عقیقہ

قربانی صرف اُن اٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جنکا ذکر سورہ انعام میں موجود ہے، ان کے علاوہ اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔ وہ اٹھوں قسمیں مکرّن کی ان چار آیتوں میں مذکور ہیں: (۱) اُحِلَّتْ لَکُمْ بَہِیمَةُ الْاَنْعَامِ (۶: ۵)۔

(۲) وَیَذَکِّرُوْا سَمِعَ اللّٰہُ نِیْ اَیَّامٍ مَّتَعُلُوْا مَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقْتُمْ مِنْ بَہِیْمَةِ الْاَنْعَامِ (۱۴: ۱۱)۔ (۳) وَمِنَ الْاَنْعَامِ مَحْمُوْکَةٌ وَّ ذَرَّ شَاۡءٌ کُلُوْا مِنْۢ مَا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ، لَا تَکُوْا لَکُمْ عِدُوْا مُّبِیْنٌ، تَمٰنِیۡۃٌ اَزْ وَاِجْرٍ مِّنَ الْعَمَلٰتِ اَشْبٰیۡنَ وَمِنَ الْعَمَلِۤیۡنِ اَشْبٰیۡنَ، قُلْ عَاۡلَکُمُ الدَّکْرُ مِیۡنَ حَرَمٍ اَوْ اَلَا تُنَبِّیۡنَ اَمَّا

اللہ اللہ اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں اسی کی حکومت ہے اُسی کیلئے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قلم ہے، ہم لوٹے آ رہے ہیں تو بر کر رہے ہیں عبادت کر رہے ہیں سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رب کی حمد کر رہے ہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دیدی۔

اَسْتَمَلْتُ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاَنْثَيْنِ، نَتَّبَعْنِي بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقَيْنِ، وَمِنْ
الْاَيْلِ الْاَنْثَيْنِ وَمِنْ الْبَقَرِ الْاَنْثَيْنِ، كُلُّ مَا الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اِمَّا الْاَنْثَيْنِ
اَمَّا اَسْتَمَلْتُ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاَنْثَيْنِ، اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذَا وَصَاكُمْ اللهُ
بِهَذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ اُنْزِلَ عَلَيَّ اللهُ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ
اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ“ (۸: ۷)۔ (۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَقْتُلُوا الصَّيِّدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مُمْتِعًا مِمَّا
عَمِلَ مِنَ التَّعَمُّمِ يَخْلُفْ مِنْهُ دَوَّارٌ مِمَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ“ (۳: ۸۰)

وہ ذبیحہ جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے، تین ہیں :
ہدی، قربانی، عقیقہ۔ آنحضرت مسلم نے بھیڑ، اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے
گائے کو ہدی کیا ہے۔ ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے
ہیں اور ہدی کے لیجانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو
سہولت کے ساتھ اُس پر سوار ہو سکتا ہے۔ امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی
و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔ ابو داؤد میں ثوبانؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلم نے قربانی کی اور فرمایا ”ثوبانؓ اس بکری کا گوشت
ٹھیک کر لو“ وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضورؐ کے
لے خدا نے چارپایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے
ہوئے پست قامت۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ غلطی
یہ چارپائے زرد مادہ آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دوزادہ اور بکری میں سے دوزادہ۔ ان سے
پوچھو کیا خدا نے بھیڑ بکری کے دوزد کو حرام کر دیا ہے یا دوزادہ دینوں کو کیا اس بچہ کو جو دوزادہ دینوں کی پیٹ
میں ہے، اگر سچے ہو تو سند پیش کرو۔ اونٹوں میں سے زرد مادہ دو اور گائے کی قسم میں سے زرد مادہ دو۔
ان سے پوچھو کیا خدا نے اونٹ گائے کے دوزد کو حرام کر دیا ہے یا دوزادہ دینوں کو کیا اس بچہ کو جو ان
دوزادہ دینوں کی پیٹ میں ہے۔ مسلمانوں، حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور جو جان پوچھ کر قتل
کرے اس کی سزا ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوپایہ کب تک ہدی بنائے۔

سامنے پیش کرتا رہا۔

قربانی۔ آپ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے، نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا: ”جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اُسکی قربانی نہیں ہوئی،“ قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عید گاہ میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے، اعطاء ابن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ابی ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسول اللہ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا جس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا (ترمذی)

عقیدہ۔ مؤطا کی روایت ہے کہ ”صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟“ فرمایا ہاں جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے،“ نیز فرمایا: ہر بچے کے ذمہ اس کے عقیدہ کی قربانی ہے، لہذا چاہئے کہ ساتویں دن اسکی طرف سے قربانی کی جائے، اسکا سر موٹا جائے اور اسکا نام رکھا جائے، خود آپ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی طرف سے عقیدہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔ حضرت ابو رافعؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ نے حضرت حسنؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

اذان

اذان میں تہجیع اور عدم ترجیع، نیز اقامت میں تکرار اور افراد دو نو ثابت ہیں، بجز (اقامت میں) لفظ ”قد قامت الصلوة“ کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا، نیز اذان میں تکبیر ”الله اکبر“ کہ جسکا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہد نبویؐ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک

ایک مرتبہ کہے جاتے تھے بجز قدامت الصلوٰۃ کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں، کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔
اذان کے دوران میں اور اسکے بعد کیا کہا جائے؟

اسکے بارے میں پانچ طریقے مروی ہیں: (۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز حَتَّى تَخْلَى لَصَلَوٰةٍ اور حَتَّى عَلَيَّ الْفَلَاحُ کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہنا چاہئے۔ (۲) یہ کہا جائے: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا، (۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے جو آپ نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی تقاضیاں کریں۔ (۴) درود کے بعد کہے: اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُحَمَّدٍ الْوَسِيْلَةُ وَالْفَضِيْلَةُ وَابْعَثْهُ مَعًا مَّا تَحْمُدُوْا فِي الدُّعَا وَعَدَّكَ اِيَّاكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ، (۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضل الہی کا متمسک ہو کیونکہ اذان کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا ”اذان اور اقامت کے درمیان دعا ورنہ نہیں ہوتی، صحابہؓ نے عرض کی تو کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا ”دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو“ یہ بھی مروی ہے کہ تَدْقَامُ الصَّلَاةُ سُکر فرمایا کرتے تھے ”اقامہا اللہ وادامہا“

جماد

جماد کی چار قسمیں ہیں: جمادِ نفس، جمادِ شیطان، جمادِ کفار، جمادِ منافقین۔ جمادِ نفس کے چار درجے ہیں: نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا جسکے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے اور نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کیلئے نفس پر جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم و دعوتِ حق میں مصروف ہونا ورنہ صاحبِ حق اُن بد بختوں میں گنا جائیگا جو

لے میں اللہ کو رب بنائے، اسلام کو بطور دین قبول کرنے اور محمدؐ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔

اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں انہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کیلئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہاد نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کر لئے ”ربانی“ ہو گیا !

جہادِ شیطان کے دو درجے ہیں : شیطان ایمان کے اندر شکوک و شبہات پیدا کیا کرتا ہے ، اس معرکہ میں اس سے دست و گریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوتی ہے انکے رد کرنے میں جدوجہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی ”یقین“ پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ ”صبر“ لاتی ہے : وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اِئِمَّةً يَّتَهَّدُونَ

بِاِمْرَانَا لَمَّا صَبَرُوْا ، وَكَانُوا بِاَيَاتِنَا يُوْفِقُوْنَ“ (۲۱ : ۱۴) اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت و قیادت صرف ”صبر“ اور ”یقین“ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے ، صبر شہوات و امادات فاسدہ کو دفع کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

جہادِ منافقین و کفار کے بھی چار درجے ہیں : قلب سے ، زبان سے ، مال سے ، جان سے۔ حدیث میں ہے : ”جو کوئی جہاد کے بغیر یا تم از تم اسکی مسرتے بغیر مرے ، اسکی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی“ ، جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت و جہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمت الہی کے امیدوار اور قرب خداوندی کیلئے بیقرار ہوتے ہیں : اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“

“(۱۱:۲۰)

جہادِ نفس اور جہادِ شیطان فرض عین ہے ، کوئی فرد بشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

جہاد کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

خدا کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اترے، پھر کمال کے بھی درجے ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند ہیں، بعض بلند ترین ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ تمام انسانوں سے افضل و اشرف تھے آپ بشت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے، چنانچہ جو ہی آیت ”يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ“ (۲۹: ۱۵) نازل ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمان خداوندی پہنچا، فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوت حق دینے لگے جو شروع شروع خفیہ تھی لیکن جب آیت ”فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ“ (۱۴: ۶) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلان حق کرنے لگے۔

کفار نے جب دیکھا کہ انکے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہ اور پیروان اسلام کو سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو تسکین دی کہ گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، تمام انبیاء کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے جھٹلائے گئے اور گونا گون مصائب میں مبتلا کئے گئے:

”مَا يَعَالَى لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ“ (۲۴: ۱۹)۔ اور فرمایا ”كَذَّابُكَ“
 ”مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الرُّسُلِ إِلَّا كَانُوا سَاحِرًا أَوْ مَجْنُونًا“، اَتُوا صَوَابِهِ بَلَّ
 هُمْ قَوْمًا طَٰغَوْنَ“ (۲۴: ۲۰)۔ نیز مسلمانوں کی دلہی کیلئے فرمایا: اَمَّ حَسْبُكُمْ اَنْ

لے تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔
 اے اسطرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا انہوں نے اُسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون الخ۔

تَذٰخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَلَكُوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَّثَلُھُمْ اَنْبَیَآءُ
وَالصّٰۤاۡءُ وَذُرُّوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَقُصُّ َاللّٰہُ
اَلَا اِنَّ نَقُصُّ َاللّٰہُ قَرِیْبٌ ﴿۱۰:۲﴾۔ اور فرمایا ”اَلَمْ اَحْبَبَ الْکَاسِ اَنْ یَّتْرَکُوْا
اَنْ یَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُعْتَمِنُوْنَ“، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِھُمْ فَلَیَعْلَمَنَّ َاللّٰہُ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِيْنَ ﴿۱۳:۲۰﴾

رسول خدا اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلنے اور وعدہ الہی کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ اسکے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کیلئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ تھا۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اُوس اور خزرج رہتے تھے۔ باہم نفرت و عداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے: ”ٹھہر جاؤ، عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، ہم اُسکی پیروی کریں گے اور اُسکے زیرِ علم تمہیں عادی و نمود کی طرح بے درد دی سے ہلاک کریں گے!“ اُوس و خزرج باقی قبائل عرب کی طرح سالانہ حج کیلئے مکہ آیا کرتے تھے ایک سال رسول اللہ صلعم نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے ”ہو نہ ہو یہی وہ نبی ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو انہیں خبر ہو جائے، ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں“ اس طرح ان مدنیوں کی خدا نے اسلام کی طرف رہنمائی کی، وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپ کی امداد و اعانت پر کمر بستہ رہیں گے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضور نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

۱۱؎ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک انھوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائبِ آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ اور اسکے ساتھی مومنین چیخ اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئیگی؟ ہاں، اللہ کی نصرت قریب ہے۔

۱۲؎ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ادعائے ایمان پر چھوڑ دئے جائیں گے؟ حالانکہ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں انکو ہم نے امتحان میں ڈالا۔ البتہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کر رہیگا۔

مدینہ پہنچکر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا، پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں: بنو قینقاع، بنو النضیر، بنو قریظہ سے امن و صلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی، جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ذیل و خوار ہوئے۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا، بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

غزوات

غزوہ بدر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچی کہ شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقاً یہ بچ نکلا تھا۔ اب اسکی واپسی کی خبر ملی تو آپ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لیکر روانہ ہو گئے جو سب کے سب پیدل تھے، اسوار کوئی بھی نہ تھا صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔ جب مقام صفراء میں پہنچے تو دو جاسوس خبریں لانے کو بھیجے۔ اُدھر ابوسفیان کو بھی آنحضرت کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اُس نے منعم بن النفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صحت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سنا اپنے قافلہ کو بچانے کیلئے مکہ بستہ ہو گئے، سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں لکر شامل نہ ہو گیا ہو، صرف ایک ابو لبابہ جاسک اور اُس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیجا یا، صرف یہی نہیں بلکہ گرد و پیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی، بنی عدی کے اہلادہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بیٹھے کر و فرس کے ساتھ چلے۔

آنحضرت کو جب قریش کے اس ساز و سامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہؓ

لے غزوات بالخصوص غزوہ بدر کی بحث سیرۃ نبویؐ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہئے (مترجم)

کے سامنے صورتِ حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے نہایت دل خوش کن جواب دیا مگر انصار چُپ رہے۔ آپ نے پھر پوچھا تو مہاجر بول اُٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔ چنانچہ سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے کہ: ”یا رسول اللہؐ گویا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے“ اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت و حمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب معاملہ مدینہ کے باہر درپیش تھا۔ سعدؓ نے کہا: شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار مدینہ کے باہر آپ کی حمایت و طاعت ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپ جہاں جی چاہے جائیے، جس سے چاہے ملے، جس سے چاہے لڑے، جتنا چاہئے ہیں دستیجے، جتنا چاہئے ہم سے لے لیجئے اور جو چاہئے ہمیں حکم دستیجے، بہر حال ہم تابع فرمان ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں، آپ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندہ گئی ہے، ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ بخدا اگر ہمیں سمندر میں گھس جانے کا اشارہ کر دینگے تو بھی ہم ہچکچائیے نہیں، سیدھے گھسنے چلے جائیں گے!“ اس موقع پر حضرت مقدادؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: ”یا رسول اللہؐ ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ”اَذْهَبْ اَنْتَ وَرَبِّكَ فَقَاتِلَا“ (۸: ۶) (جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے (ٹپینگے اور بے پروائی سے سرفروشی کریں گے!“ رسول اللہؐ نے یہ بہت افزا جواب سُننے تو مسرت سے چہرہ مبارک روشن ہو گیا اور فرمانے لگے: ”مسلمانو! چلو! تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان یا شکر قریش) ایک گروہ کے دیدینے کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، میں دشمنوں کی بُریدہ سرلاشیں دیکھ رہا ہوں!“

ادھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے، ادھر ابوسفیان ساحل کی راہ سے ہو کر خطرہ

سے بچ نکلتا تھا، جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کارروان بالکل بچ گیا ہے۔ حنفہ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر ابو جہل مانع ہوا اور کہنے لگا: بخدا ہم بدر تک تو ضرور ہی جاؤں گے، وہاں اترینگے، آرام کریں گے، عربوں کو خوب کھانے کھلائیں گے تاکہ ہر طرف ہماری دھواک بیٹھ جائے۔ انحنس بن شریق نے ابو جہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر مع اپنے قبیلہ کے لوٹ گیا۔ بنی ہاشم نے بھی واپسی کیلئے بہت ہاتھ پیرمائے مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا: واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے!

دوسری طرف رسول اللہ صلعم برابر پیش قدمی کرتے چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریب ہی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہ سے مشورہ کیا کہ کہاں اترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذر نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائیں گے، پانی پر قبضہ کر لیں گے اور قرب وجوار کے کوئیں توپ دینگے۔ قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آ رہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپ نے حضرت علیؑ اور زبیرؓ کو حالات کی جستجو کیلئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فرمایا ”اچھا، رزکتے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟“ انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر فرمانے لگے ”تو انکی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے“

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائید غیبی سے ہوئی کہ

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دئے تھے۔ مگر دونوں ستوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی، مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے۔ جس سے موسم خوشگوار ہو گیا، مجاہدین سے غبارِ سفر دور ہو گیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آگئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہو گئی کہ تیزی سے سفر ہو سکے۔ لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے اُنکے کوچ میں سخت دقت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مسلمان اُن سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ کر لیا اور باقی کنوئیں بند کر دئے۔ اس موقع پر رسول خدا کے ٹھہرنے کیلئے سامنے کی پہاڑی پر چھپر کا سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپ نے میدان میں ایک چکر لگایا اور ماہتہ کے اشاروں سے بتاتے گئے کہ اس جگہ انشاء اللہ فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں۔ بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی ہوئی جگہ پر خاک و خون میں آلودہ پڑا تھا !

جب شرکین کے دستے بھی سامنے آ گئے تو اللہ کے رسول نے بارگاہِ خداوندی میں دعا شروع کی : اللهم هذه قریش جاءت بخيلاها وغررها، جاءت تخاربك وتكذب رسولك !، پھر جوش میں دونوں ماہتہ آسمان کی طرف اٹھا دئے اور اپنے رب کو پکارا : اللهم انجز لي ما وعدتني اللهم اني انشدك عهدك ووعدك ! اتنا کہا تھا کہ جو مجھ سے حضرت صدیق چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے : یا رسول اللہ ابشر فوالذی نفسی بیدہ لیجنز الله لك ما وعدك ، تمام مسلمانوں نے بھی تضرع و ناری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا : (اِنِّی مَعَكُمْ فَتَنِيثُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا سَاقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرَّعْبَ - ۱۰:۹) و (اِنِّیْ مُؤِیْدٌ كَرِیْمٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا)۔

مُزِدْفِیْن - ۱۵:۹ -

اللہ خداوند! یہ قریش اپنے ساز و سامان اور فخر و نخوت کے ساتھ آگئے ہیں، یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

اللہ خدا یا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر، خدا یا! میں تجھے تیرے وعدہ و عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔
اللہ یا رسول اللہ! بشارت ہو، قسم چاہے کی جسکے ماہتہ میں میری جان ہے، اللہ ضرع اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

رسول خدا صلعم وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نمازیں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔ رمضان ۸۱ھ کی تاریخ تھی۔ صبح ہوئی تو فریعتین صاف آرا ہوئے، آنحضرت نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ اُس وقت آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذ ایک انفصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی، ادعا میں آپ کی زاری بھی ٹرھتی جاتی یہاں تک کہ عالم ینجری میں شانوں پر سے رداء مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے بڑھکرا طعنائی اور کہا ”یا رسول اللہ! آپ کی مناجات رب العزت تک پہنچ گئی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا“، عین اُس وقت کچھ غنودگی طاری ہو گئی اور حالت جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آ گھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپ ہوشیار ہو گئے اور جوش سے فرمایا: ”ابو بکر! بشارت ہو، یہ لو جبرائیل آ گئے، غبارِ سفر اب تک اُن پر موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر لا اُتارا، اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی، اور کفار کو ان کے قبضہ میں کر دیا کہ قید کریں اور قتل کریں!“ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کر دی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار کو شکست ہوئی، صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر قید ہوئے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھے پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ”کوئی دیکھو، ابو جہل نے کیا کیا؟“ عبد اللہ بن مسعودؓ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے، عجزاء کے (لوگوں) (معاذ و معوذ) نے ایسا وا کیا تھا کہ دشمن نہ پھر اٹھ نہ سکا۔ عبد اللہ کو اسکے ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں دیکھتے ہی آگے بڑھے اور دائرہ می پکڑ کے بولے تو ہی ابو جہل ہے! اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا فتح کس کی ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا اللہ کی اور اُس کے

رسولؐ کی اے دشمن خدا، کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے نخوت سے کہا: ”یہ فخر اُس پر جسے اُسکی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!“ عبداللہؓ نے سرتن سے اُتار لیا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں لا کر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا ”اللہ الذی لا الہ الا هو“ پھر کہا ”اللہ اکبر الحمد للہ الذی صدق وعدہ و نصر عبدہ و ہزمہ الا حزاب و وحدہ“ چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھ کر بولے ”یہ اس امت کا فرعون تھا!“

جنگ کے بعد رسول اللہؐ اور مسلمان قیدی اور مال غنیمت لے کر منظر و منصور روانہ ہوئے۔ صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنان اسلام مرعوب ہو گئے، مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر و کفار ہی کے ساتھ رہا۔

غزوہٴ احد

جب سرداران قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے اور درای ابوسفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اُس نے عربوں کو رسول اللہؐ اور اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ماہ شوال ۳ء میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے، عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ اُن کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بڑے ساز و سامان سے مدینہ کا رخ کیا۔

رسول اللہؐ کو خبر ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، خود آپؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں، اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر انہیں کا میابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگباری کریں۔ عبداللہ بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

لیکن بعض وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مُصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے
چنانچہ آپ اُٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی
اور مدینہ میں نماز کی امامت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے سپرد کر کے جمعہ کے دن چل پڑے۔
راستہ میں عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہہ کر کہ ”میری رائے
پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر لوٹ پڑا۔
عبداللہ بن حزامؓ دُور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے، مگر اُس نے ایکٹ سنی
اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ انکے حلیف یہودیوں کو مدد
کیلئے بلایا جائے مگر آپ نے اس سے نفعی انکار کر دیا۔

آپ چلتے چلتے اُحد کی گھاٹی پر پہنچے اور پہاڑ کو پشت پر کر کے اُتر پڑے۔
لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ سینچر کا دن ہوا تو جنگ کے لئے تیاری
شروع کی مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور
سواروں کے رسالے بھی، مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰ آدمی تھے جن میں پچاس سوار
اور پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کی کہ تیر اندازوں
کی جماعت کو عبداللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت اُس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن
پشت پر حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو اپنی جگہ
سے نہ ہلنا۔

آپ نے اُس دن دو زہیں پہنیں، جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا،
نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللہ بن عمرؓ،
اُسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اُسید بن ظہیرؓ، برادر بن عازبؓ، زید بن ارثمؓ،
عرب بن اوسؓ اور عمرو بن حزامؓ تھے۔ بعض جو ذرا بڑے تھے شرکت کیلئے بہت
مند کرنے لگے تو اجازت دیدی ان میں سمہ بن جندبؓ اور رافع بن خدیجؓ تھے جنکی

عمر کل پندرہ سال تھی !

قریش نے بھی جنگ کیلئے صف آرائی کی، انکے مینہ پر خالد بن الولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ رسول اللہ نے اسدن اپنی تلوار ابو دجانہ بن سماک بن حرشہ کو دیدی جو عرب کے ایک مشہور بہادر اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے۔ جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

دن کے اول حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں تو صبر نہ کر سکے اور حکیم رسول کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے۔ انکے سردار نے لاکھ لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سنے دی اور درہ تقریباً غالی ہو گیا۔

ادھر مشرکین نے دیکھا کہ موقعہ اچھا ہے چنانچہ انکے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پشت پر سے مسلمانوں کو ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہو گئی، دوست دشمن میں تمیز اٹھ گئی۔ ۱۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے صرف تھوڑے ثابت قدم رہے۔

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ تک پہنچ گئے، چہرہ مبارک زخمی کیا، داہنی طرف نیچے کا دانت شہید کیا، سر پر خود چور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت علی رضی نے بڑھ کر ہاتھ کے سہارے سے اٹھایا اور حضرت طلحہ نے مینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زہ کی دو کڑیاں اسقدر پیوست ہو گئی تھیں کہ حضرت ابو عبیدہ نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا، (ابو سعید الخدری کے والد) مالک بن سنان نے رخسار پر منہ دلا کے خون چوسا۔ مصعب ابن عمیر علیہ السلام کو زخم آٹکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علی کو دیا۔

مشرکین کا زور برابر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے اُس ارادہ کے پورا کرنے پر جتنے ہوئے تھے جسے خدا پورا کرنا نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی مدافعت کرتے ہوئے قربان ہو گئے مگر دشمنوں کا نعرہ کم نہ ہوا، آخر حضرت طلحہؓ نے شیروں کی ہیبت و سطوت سے حملہ کیا اور اُنکے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اُس وقت عجب حالت تھی، کفار کے تیر بارش بنکر برس رہے تھے، ابوریحانہؓ رسول اللہ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا ”محمد قتل ہوئے!“ یہ سُننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل مچ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

انس بن نضرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔ پوچھا کس سوچ میں ہو؟ بولے ”رسول اللہ تو شہید ہو گئے“ انہوں نے کہا ”پھر رسول کے بعد تم جی کے کیا کرو گے؟ اٹھو اور اُس راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی جان دی ہے“ یہ کہہ کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ نظر آئے، اُن سے کہا ”اے سعد! حد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے!“ اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیرا تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی اُس دن سخت زخمی ہوئے تھے، اُنکے تقریباً بیس زخم لگے تھے۔

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسول اللہؐ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے، تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں چمک رہی تھیں، سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے ہچکانا اور فرط جوش سے چلا اُٹھے: ”مسلمانو! بشارت ہو، یہ رسول اللہؐ موجود ہیں!“ آپؐ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے بچائے مسلمانوں کو لیکر اُس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اُس وقت حضرت

ابوبکرؓ، عیسیٰ، حارث بن الصمۃ الانصاری وغیرہ صحابہؓ ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو ابی بن خلف اپنے اُس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکہ میں یہ کہہ کر باندھ رکھا تھا کہ ”اسی پر سے محسّد کو قتل کر دوں گا“، لیکن جونہی قریب پہنچا رسول اللہؐ نے حارث بن الصمۃؓ کے ہاتھ سے حربہ لیکر وار کیا جس سے گردن زخمی ہو گئی اور وہ اُفتاں وغیراں بھاگا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکیگا چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے ہمیشہ کیلئے سلا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر زنت تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے، آخر طلحہ بیٹھ گئے اور اُن پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آ گیا تو بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی۔

اُس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جو انفرادی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہو گیا تو عمرہ بنت علقمہ نے بڑھکر جھینڈا اپنے کاندھے پر اٹھالیا۔ ادھر اُمّ عمارہؓ نے سخت جنگ کی، عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قحاطہؓ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر کافر دوزر ہیں اپنے ہتھیار سلتے کچھ اثر نہ ہوا اور انتہائی قسادت سے اُلٹے انہیں زخمی کر گیا۔

جنگ ختم ہو گئی تو ابوسفیانؓ سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا ”کیا یہاں محمدؐ ہیں؟“ کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلا ”ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟“ سب خاموش رہے۔ تیسری بار پھر چلا ”عمر بن الخطابؓ ہیں؟“ کوئی نہ بولا۔ جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا ”واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!“ اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور چلا اُٹھے ”او دشمن خدا، ہم سب زندہ ہیں“ ابوسفیانؓ نے کہا ”اعلٰیٰ ہبل! (مہل کی جے!) آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کیا کہیں؟ فرمایا کہو ”اللہ اعلیٰ واجل“ (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے)

ابوسفیان نے کہا ”لنا العزیز ولا عزیزی لکھ“ (ہمارا حامی عزیزی ربت) ہے تمہارے پاس کوئی عزیزی نہیں! آنحضرتؐ نے تلقین کی ”اللہ مولانا ولا مولیٰ لکھ!“ (خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں!) ابوسفیان نے کہا ”آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے“ حضرت عمرؓ نے کہا ”برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!“

صحیحین میں ہے کہ ابی حازمؒ سے رسول اللہؐ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے ”واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی تریرا تھا اور کونسی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں اور علیؓ پانی ڈالتے تھے، جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت زہراؓ نے چٹائی کا ٹکڑا اجلا کر زخم پر رکھ دیا جس سے کہیں جا کے خون رکا“

صحیح بخاری میں ہے کہ جب دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو خون ہاتھ سے سونپتے جاتے اور فرماتے تھے ”وہ لوگ کیسے نلاح پائینگے جنہوں نے اپنے نبیؐ کا سر پھوٹا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف خدا کی طرف بلاتا تھا!“ یہ بات بارگاہ خداوندی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی ”لَیْسَ لَکَ مِنْ اَمْرِ شَيْءٍ اَوْ تَتُوبُ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَانْهُمْ ظَالِمُوْنَ“ (۴ : ۴)۔

اس قیامت خیز جنگ میں جبکہ عام طور پر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، انسؓ بن النضر ثابت قدم رہے، کفار پر بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے ”خداوند! ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور ان لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہارِ برأت کرتا ہوں“ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں انکے باپ کو قتل کئے ڈالتے ہیں، یہ لاکھ لاکھ چلائے ”لوگو، میرے باپ ہیں، میرے باپ!“ مگر کون سنتا تھا، مسلمانوں ہی کی تلواروں نے انکی آنکھوں کے سامنے انکے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا

اسے تمہیں اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ انکی توبہ قبول کرے یا سزا دے الخ.....

مگر اُن تک نہ کی، صرف یہ کہا کہ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ (خدا تمہیں معاف کرے) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون بہا اور ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: ”میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں“ اس واقعہ نے حذیفہؓ کو رسول اللہ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

زید بن ثابت رضی کی روایت ہے کہ اُحد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعد بن الزبیر کی تلاش میں بھیجا اور کہا: ”اگر بلجائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہؐ نے مزاج پوچھا ہے“ زیدؓ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ دوزخوں میں چور نظر آئے، لبوں پر دم تھا، نیزہ، تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسول اللہؐ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سُنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی میتابی سے بولے ”رسول اللہؐ پر سلام! زیدؓ تو رسول اللہؐ سے کہو کہ سعد جنت کی بوسونگھ رہا ہے، اور میرے قبیلہ سے کہو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن رسول خداؐ تک پہنچ گئے تو کل خدا کے ہاں کوئی عذر کام نہ آئیگا!“ یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا، دوسرے انصاری کا اُدھر سے گزر ہوا تو یہ زخمی سے کہنے لگا ”اے شخص کیا تُو نے بھی سُن لیا کہ محمد قتل ہو گئے؟“ وہ مومن صادق بولا ”اگر محمد قتل ہو گئے تو کیا ہوا، تبلیغ حق تو کر گئے، تجھے بھی چاہئے کہ اپنے دین پر سے خدا ہو جا“ اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ، انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ، مَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنَ يَصَرََ اللَّهُ شَيْئًا، وَ سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ“ (۶: ۴)

۱۵ محمدؐ صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت رسولؐ گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے، اور جو کوئی اُلٹے پاؤں لوٹ جائیگا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیگا۔ اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دیگا۔

جنگ اُحد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی۔ مسلمانوں کی شکست بلا وجہ نہ تھی، اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جنگی اب تاریخ شروع ہو رہی تھی) عملاً بتادینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا لَا تَخْشَوْنَ كُنُوزَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَتَّىٰ إِذَا أَفْشَلْتُمْ وَتَوَلَّوْا زَعَمْتُمْ فِي الْأَمْرِ دَعْصَيْنَاهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلَكُمْ مَائِجِبُونَ، مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ شَمَّةٌ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ (۴: ۷۷)۔ چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور اُن تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنتِ الہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق و اہل حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر، صادق و کاذب کے درمیان تمیز اٹھ جائے، ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرہ مومنین میں داخل ہو جائے، حالانکہ حکمتِ الہی یہی ہے کہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز قائم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتادینا تھا کہ رسول کی عمر محدود ہے، وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا، لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں، مسلمان اگر حق پرست ہیں تو انکی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور اداوائے فرض پر رہنی چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدانِ جنگ میں رسول کی شہادت سُنے ایسے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا اور وہ خدا ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسول کے ذریعہ حق بھیجا تھا: وَمَا مَحْصَدُ

اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اُسے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسبِ منشاء نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دُنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت، پھر پھر دیا تمہیں اُن سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری اور الیہ یہ خطا معاف کر دی تمہاری۔

لَا رَسُولَ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
 أَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ كُنْ يَصْغُرُ اللَّهُ شَيْئًا، وَسَيَجْزِي اللَّهُ
 الشَّاكِرِينَ، (۶: ۴)۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیاء اور ان کے ساتھ بیشمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس
 سے مومنین صاف دقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ
 مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے: وَكَأَيِّنْ مِنْ شَيْءٍ قَاتَلْنَا مَعَهُ رِيشُونَ كَثِيرٌ مِمَّا هُمْوَا
 لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا، وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ
 وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَلَا سِرَافَتَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ
 أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ فَاتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنِ
 ثَوَابِ الْآخِرَةِ، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ، (۶: ۴)۔ قرآن میں جنگ کے متعلق ساٹھ
 آیتیں سورہ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں اور ۱۰۰؎ وَاِذْ عَدَدْتُكَ سے شروع
 ہوتی ہیں۔

غزوۃ المریج

یہ غزوہ ماہ شعبان ۶ھ میں واقع ہوئی، وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث
 بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب وجوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لیکر رسول اللہ سے
 جنگ کرنے لگا۔ مدینہ خبر پہنچی تو آپ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریج
 نام مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی، مگر آپ نے حملہ کیا اور قیدی
 ۱۰۰ بہت نبی گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، خدا کی راہ میں انہیں جو
 نقصان پہنچا اس سے نہ سست ہوئے نہ کمزور ہوئے اور نہ ہمت ہار بیٹھے، خدا ثابت قدموں کو
 پسند کرتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا پروردگار، ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، ہمیں
 ثابت قدم کر اور کافروں پر فتیاب کر۔ خدا نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ
 اچھوں کو پسند کرتا ہے۔

حاصل کئے۔ جن میں خود عمارت مذکور کی بیٹی جویرہ بھی تھیں جو ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے انکی طرف سے روپیہ ادا کر کے آزاد کرالیا اور پھر عقد بھی کر لیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی صطلق کے قیدی جو اب مشرف باسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دئے کہ: ”رسول اللہؐ کے سسرالی عزیز ہیں“

اسی غزوہ سے ”افک“ کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جسکی حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت عائشہؓ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں، واپسی میں جبکہ لشکر ایک بگڑاؤ ڈالے تھا وہ استنفا کیلئے میدان گئیں، لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا مار جو اپنی بہن سے عاریۃ لائی تھیں گم ہے۔ فوراً تلاش میں واپس ہوئیں۔ اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا، جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے وہ اندر ہیں۔ یہ اُس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اسلئے کجاوہ اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔

معنوف بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی جینز میں اٹھالیں اُنکی نظر جب یہاں حضرت عائشہؓ پر پڑی تو تائیداً کہہ کر سکتے میں آگئے، وہ انہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بار بار دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں، ادب سے اونٹ قریب لاکے بٹھا دیا وہ سوار ہو گئیں اور یہ خود ہمارا تھا پیادل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آئے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن ابی منافق کو معلوم ہوا تو فوراً نعمت لگا دی اور نہرت دینے لگا۔

مدینہ پہنچے تو ان اقترا پر دازوں نے ہر طرف شور مچا نا شروع کیا۔ آنحضرتؐ اول اول بالکل خاموش رہے پھر سماج سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اشارۃ طلاق کی صلاح دی لیکن حضرت اسامہؓ وغیرہ نے اسکی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کائنات نظر مختلف

تھا، حضرت علیؓ اس طرف گئے کہ حالتِ شبہ کو بہر حال ختم کر دینا مناسب ہے تاکہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے چھٹکارا ملے۔ اُسامہؓ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور اُنکے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ رضے سے از مد محبت ہے، اور اُنکی جدائی نہایت شاق گزرے گی۔ پھر انہیں کامل یقین تھا کہ اُمّ المؤمنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت و عفت ہر طرح کے شک شبہ سے بالاتر ہے، رسولؐ کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اُنکی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہؓ قصہ انکے سنکر پکار اُٹھے تھے: "سبحانک ہذا بہتان عظیم!"

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو حضرت عائشہؓ کی براءت کے ساتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے جب براءت کی آیات پڑھیں تو حضرت صدیقؓ مسرت سے اُچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: "اُٹھو رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو"، اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی خودداری و جرات قابل دید ہے، وہ بولیں: "بخدا میں "ان کا" ہرگز شکریہ ادا نہ کروں گی، میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت نازل فرمائی!" یہ جواب اُنکی پاک باطنی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔

جب وحی کے ذریعہ براءت ثابت ہو گئی تو آنحضرتؐ نے تمت لگانے والے لوگوں کے ۸۰-۸۰ درے لگوائے کیونکہ تمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

غزوہ خندق

شوال ۵ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب اُحد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابوسفیان سال آئندہ پھر حملہ کرنا چاہے، تو انکی بھی ہمتیں بلند ہو گئیں اور انکے سردار قریش کے پاس گئے،

حملہ کیلئے اکسایا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرأت ہوئی اور وہ ان کی صلاح مشورہ سے جنگ کی طلیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر ہزار فراہم ہو گیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائل عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ یہ سالاری ابوسفیان کو دی گئی۔ اور اس فوج گراں نے سیلاب بلانکر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

آنحضرت صلعم کو اطلاع پہنچی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، سلمان فارسیؓ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھودنے لگی جس میں علاوہ صحابہ کرامؓ کے خود رسول اللہ صلعم بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت بیکر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔ عین اُسی وقت معلوم ہوا کہ بنی قریظہ (یہودی) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔ آپ نے سعد بن معاذؓ، سعد بن عبادہؓ اور چند دیگر صحابہؓ کو تحقیق حال کیلئے بھیجا۔ یہ گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے، کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے صحابہؓ اور خود رسول اللہ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سعد بن معاذؓ وغیرہ سب کچھ دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اسکا اثر مسلمانوں پر بہت بُرا ہوا، بہت سے لوگ بددل ہو گئے، منافقین کا نفاق کھل گیا، اور بنی حارثہ کے بعض مسلمانوں نے یہ جیدہ کر کے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا، محض لڑائی سے جی چُرانے کی بات تھی۔ اسی دوران میں شرکوں کا لشکر بھی آپہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ

کیا کہ قبیلہ عطفان کو مدینہ کے غلستانوں کی ثلث فصل دیکر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی، لیکن جب انصار کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی۔ وہ کہنے لگے: ”یا رسول اللہ! اگر آپ کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہر حال میں راضی ہیں۔ لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں، جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اُس وقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، پھر اب جبکہ اللہ نے ہمیں مشرک باسلام کیا اور آپ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے انکے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت انکے حوالہ کر دیں؟ بخدا ہمارے پاس انکے دیئے کو بجز تلوار کے اور کچھ نہیں!“ آنحضرت کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا: ”یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا، کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کے اُمتد آیا ہے۔“

کابل ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور اسکی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلہ عطفان کے ایک شخص نعیم ابن مسعود کا دل خود بخود نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”میں اسلام لا چکا ہوں، حکم دیجئے اتمیل کیلئے حاضر ہوں،“ آپ نے فرمایا ”تم ایک فرد واحد ہو اور تنہا کیا کر سکتے ہو؟“ اگر ممکن ہو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو، کیونکہ جنگ حیلہ و تدبیر کا نام ہے، ”نعیم فوراً واپس ہوئے، انکے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی، پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے، انکے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے، کہنے لگے ”دیکھو اب تم محمدؐ سے (طائی مولے چکے ہو، قریش کا کیا ہے، موقعہ پائینگئے

فائدہ اٹھائینگے، ورنہ تمہیں محمدؐ کے رحم اور انتقام کے حوالہ کر کے اپنے ملک چلے گئے، وہ کہنے لگے ”پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“ بولے ”اُسوقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو جب تک بطور ضمانت کے اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں۔“ فریب خوردہ یہودی کہنے لگے ”واقعی اچھی صلاح ہے!“ ادھر یہ کیا، ادھر قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ”تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟“ وہ کہنے لگے ”ہاں بلا شک“، نعیمؑ نے کہا ”تو سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمدؐ سے عہد شکنی کر کے اب پختارہے ہیں، انہوں نے پیام و سلام شروع کر دیا ہے اور باہم یہ بات قرار پا گئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمدؐ کے حوالہ کر دیں اور پھر انکے شریک ہو کر تم سے جنگ کریں، لہذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہرگز نہ دینا، اس کے بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے اور بعینہ یہی گفتگو وہاں بھی کی۔

اب دشمنانِ اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو آزمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا ”ہم یہاں پردیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال و متاع ضائع کر چکے ہیں، لہذا ظہار ہو جاؤ سب مل کے محمدؐ پر حملہ کر دیں، یہودیوں نے سنا تو نعیمؑ کی بات یاد آگئی، کہلا بھیجا ”آج سینچر کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم سینچر میں کچھ نہیں کرتے، علاوہ ازیں جب تک ہم ضمانت نہ دو گے ہم تمہاری طرف سے نہیں لڑینگے“ قریش سنہ یہ جواب سنا تو باہم کہنے لگے ”بخدا نعیمؑ نے ٹھیک کہا تھا،“ اور یہودیوں سے کہلا بھیجا ”واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑو،“ اس جواب سے قریظہ کو نعیمؑ کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہو گئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیجا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کشت و خون کے دشمنان اسلام رسوا و خوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہو گیا۔

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت صلعم بھی شہر میں واپس آئے اور تیار کھولنے لگے، عین اسی وقت حکم خداوندی پہنچا کہ بنی قریظہ کو انکی عہد شکنی کی سزا دو۔ چنانچہ فوراً منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے، اور خود بھی فوراً روانہ ہو گئے یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا، لیکن بالآخر مقہور و مغلوب ہوئے، جنگی قسمت میں قتل ہونا تھا، قتل ہوئے، باقی قید کی ذلت میں پڑے، حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورہ احزاب میں ان دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

غزوہ حدیبیہ

یہ غزوہ ذی القعدہ ۶ھ میں واقع ہوا، تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیجا تھا کہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام عسفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی طیاریاں مکمل کر لی ہیں، آپ سے لڑینگے اور کعبہ کے قریب نہ جانے دینگے۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرت نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن الولید کو طلحہ بن ابی سفیان کے ساتھ ساتھ لے کر آگے بڑھا ہے، لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کے پرے پرے نکلے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غیم میں پہنچے تو خالد نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیگی، بھٹ گھوڑا ڈالے مکہ پہنچے اور قریش کو خبر دی جس سے انہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اسکے کہ ادھر سے کوئی

کارروائی عمل میں آتی آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ سے یہ پیغام دیکر مکہ بھیجا کہ: ”ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، صرف عمرہ مقصود ہے، لہذا ہمیں نہ روکو“ قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے: ”جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا، بس اب رہنے دو“ ادھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ حضرت عثمانؓ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ضرور طواف کیا ہوگا، لیکن آنحضرتؐ نے سنا تو یہی فرمایا ”میرے خیال میں تو عثمانؓ نے ہرگز طواف نہ کیا ہوگا، ہم محض یہ ہیں وہ بھلا طواف کریں گے؟“ اور واقعہ بھی یہی تھا، حضرت عثمانؓ نے اگر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو، مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی، فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر بر سائے۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے، اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑائی نہ کریں اور کسی حال میں بھی نہ بھاگیں گے۔

لیکن حضرت عثمانؓ جلد ہی مکہ سے صحیح سالم واپس آ گئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سر نو شروع ہوئی۔ شریہیں طے ہو چکیں تو آپؐ نے کاتب کو بلا کر فرمایا: لکھو ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سہل بن عمرو قریش کا نمائندہ تھا، ”رحمن“ کے لفظ پر فوراً اعتراض ہوا: ہم نہیں جانتے ”رحمن“ کون ہے؟ ”اِذَا“ بِاسْمِ اللّٰهِ“ لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے، اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہی لکھا جائیگا۔ مگر آپؐ کے پیش نظر توسل تھی، فرمانے لگے کچھ ضائقہ نہیں بِاسْمِ اللّٰهِ ہی لکھ دو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی: ”هٰذَا مَا قَاَضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ (اس پر محمد رسول اللہؐ نے مجھوتہ کیا ہے) سہل نے فوراً اعتراض کیا:

”اگر ہم یہی جانتے کہ آپ رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے؟“ لہذا محمد بن عبد اللہ لکھئے، ”اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپ نے فرمایا ”گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں، اچھا محمد بن عبد اللہ لکھ دو“ پھر لکھنا چاہا ”وہاں ہم یہ طے ہوا کہ قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں“ سہل نے اس پر بھی اعتراض کیا: ”بجز ایسا نہیں ہو سکتا، سارا عرب کیسے ہم دباؤ سے ڈر گئے، البتہ آئندہ سال تم آ سکتے ہو۔“ پھر حسبِ میل شرطوں پر عہد نامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگِ بدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔

(۲) اس سال واپس جائیں، آئندہ سال آ سکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور

رتیر نہ لائیں، صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہیگا، اسکے بعد ہی فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آجائیگا اُسے واپس

نہ کرینگے، لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائیگا وہ اُسے واپس کر دینگے۔

اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا اور وہ آنحضرت سے کہنے لگے

”یا رسول اللہ! کیا یہ شرط بھی ہم منظور کر لینگے؟“ آپ نے جواب دیا ”ہمارا جو آدمی اُنکے

پاس چلا جائیگا خدا کی اُس پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کا جو آدمی ہمارے پاس آجائیگا اُو

ہم حوالہ کر دینگے، خدا اُس کیلئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیگا“

۱۵ حدیبیہ کا صلح نامہ مسلمانانِ ہند کیلئے ایک بہترین سیاسی رہنمائی ہے، ہمیں ہندوستان آزاد کرانا ہے، ہندوستان

کی آزادی سے جیسے بہترین قومی و اسلامی فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اسلام اور دنیا کے سیاسی نجات اسی پر موقوف

ہے، ہم ہندوستان کو آزاد نہیں کر سکتے جب تک ہمارے وطن سے کامل صلح نہ کر لیں، جسطرح بھی ممکن ہو ہمیں صلح حاصل

کرنی ہے، مشروطوں کی سختی نرمی کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ بیشمار سیاسی، اجتماعی، اخلاقی اور مذہبی اسباب ایسے

موجود ہیں جو چاری اس صلح کو حدیبیہ کی طرح ”فتحِ مبین“ کا پیش خیمہ بنا دیں گے۔ کاش مسلمانوں کو عقل آئے اور

اسلام کے نادان دوست بننے کے بجائے دانا دوست بن جائیں۔ ہم اپنی جہالت سے اس وقت صرف ہندوستان ہی کو برباد نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسلام کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ (مترجم)

معاہدہ مکمل ہو گیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اٹھو، قربانی کرو اور سرمنڈاؤ۔ آپؐ نے مکرر یہ حکم دیا، مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ بجز ایک دو کے کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپؐ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی، آپؐ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ وہ عرض کرنے لگیں: ”اگر آپؐ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہئے، خاموشی سے اٹھئے، قربانی کیجئے اور حلاق کو بلا کر سرمنڈا دیجئے، سب فوراً پیروی کرینگے،“ آپؐ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر منڈانے لگے۔

یہیں نمون عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں انکے متعلق نازل ہوا: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَهُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مَهَّجِرَاتٍ فَاِمْتَعِنُوهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ﴾ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تُخْرِجُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۙ اَلَمْ (۲۸: ۸) اسی موقع پر قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کی حمایت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش کی حمایت میں۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورہ فتح میں موجود ہے۔

غزوہ خمیس

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مال غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے: وَعَدَ كُفُّوا ۖ اَللّٰهُ مَنَّانٌ كَثِيْرًا تَاْخُذُ وُحُوشًا فَعَلَّ كُفُّوا ۖ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہر گئے اور اس بات پر صلح کرنا پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال و ۱۵ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، اُن کا امتحان کرو۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے۔ اگر تم انہیں ایماندار سمجھو، تو پھر انہیں کافروں کی طرح نہ ٹھانو۔ ایماندار عورتیں کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ کافران کیلئے حلال ہیں۔

متاع اپنی بار برداریوں پر لے جاسکتے ہیں لیجائیں۔ لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے: ”آپ ہمیں رہنے دیں، ہم اس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اسکی اصلاح و درستگی اور حفاظت کرتے رہیں گے“ خود آنحضرتؐ اور صحابہ کے پاس اُس وقت کھیتی باڑی کیلئے آدمی نہ تھے، آپ نے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی اور جلاوطنی عارضی طور پر ملتوی کر کے آدھی بٹائی پر انہیں زمینیں دیدیں۔ معاہدہ میں کوئی میعاد مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ کی خوشی پر موقوف تھا جب تک چاہیں رکھیں۔

اسی غزوہ میں صفیہ بنت یمان بن اخطب قید ہو کر آئیں اور اسلام لے آئیں، آپ نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا اور آزاد کر کے زوجیت میں لے آئے، نقد مراد انہیں کیا بلکہ آزادی کو ہر قرار دیدیا۔

اسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہٗ سلام بن شکم) نے زہر ملا کر بھنی ہوئی بکری تحفہ پیش کی جسے آپ نے اور بعض صحابہؓ نے تناول کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشر بن البراء کا انتقال ہو گیا تو آپ نے عورت کے قتل کا حکم دیدیا۔ خود آپ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات ملے ہر ہی کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں فرمایا: ”خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اُس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی، لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے“

خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادی قریظ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا، اس مقام کو بھی بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہل خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہل فدک کا بھی ہوا۔ تیہما کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو خائف ہو گئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہل خیبر کی شرطوں پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک رہے، جنہوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو تو جلا وطن کر دیا مگر تیہما اور وادی قریظ والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ

دونوں علاقے حدودِ شام میں داخل تھے اور خیرِ دُفک سرزمینِ مقدس حجاز میں کہ جس کا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

غزوہٴ فتح

۱۔ رمضان ۶۲۷ء میں مکہ فتح ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سبب حملہ کر دیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو انکی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ معاہدہ صلح توڑ دیا۔ بنی خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لیکر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے فوراً اطیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھر جائیں۔

اس موقع پر ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ طیار یوں میں مصروف تھے تو انہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں من و عن سب باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ آنحضرت تم پر لینا کئے آ رہے ہیں۔ مگر شیتِ ایزدی یہی تھی کہ قریش پیغمبری ہی میں اپنے کئے کی سزا بھگتیں، چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی اور حاطب کا راز فاش ہو گیا۔ آنحضرت نے انہیں بلا کر سب دریافت کیا، یہ مؤمن صادق تھے، سچائی سے کہنے لگے: ”یا رسول اللہ، میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے، خدا گواہ ہے کہ میں اُس پر اور اُس کے رسول پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مرتد ہوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قرشی ہوں نہیں، یوں ہی قبیلہٴ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل و عیال سب کے سب انکے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو انکی حفاظت کی ضامن ہو، برخلاف آپ کے اور اصحاب کے جنکے قریب داروں موجود ہیں اور انکے اہل و عیال کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں،

یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم سے کم قریش پر ایک ایسا احسان کر دوں جسکے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں۔ آنحضرتؐ نے یہ جواب قبول کر لیا اور حاطب کی خطا معاف کر دی۔

جب طیاریاں ہر طرح مکمل ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مجاہدین کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ جو مع اہل و عیال ہجرت کئے چلے آ رہے تھے ملے اور شکر میں شامل ہو گئے۔ جب فوج اسلام مڑا نظر ان نامی مقام پر پہنچی تو اپنے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب و جوار کے تمام علاقے روشن ہو گئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، انہیں ڈر تو تھا مگر یہ دہم بھی نہ گزرا تھا کہ مسلمان اس تیزی سے سر پر پہنچ جائیں گے۔ حضرت عباسؓ مدد کو تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرادیں تاکہ امان حاصل کر لیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہ کے خاص خچر پر سوار ہو کر نکلے اور ادھر ادھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو بدیل بن ورقاۃ سے باتیں کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے تعجب سے کہا: ”بَدیل، واللہ میں نے آج کی اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا،“ بدیل (جو درپردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھا) نے کہا ”یہ قبیلہ خزاعہ کی آگ اور انہیں کا پڑاؤ ہے،“ ابوسفیان نے تردید کی ”نہیں، اتنی بڑی آگ اور ایسا پڑاؤ کسی طرح بھی خزاعہ کا نہیں ہو سکتا، خزاعہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں؟“ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہیں آواز پہچان کے پکارا ”ابا حنظلہ!“ (ابوسفیان کی دوسری کنیت ہے) اُس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا ”یہ کیا معاملہ ہے؟“ میں نے کہا ”یہ رسول اللہ ہیں اور ان کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، بخدا اگر تمہیں پابا جائیں گے، بے گردن مارے نہ چھوڑینگے!“ وہ بولا ”پھر اب کیا تدبیر

ہے؟“ میں نے کہا ”غاموشی سے میرے پیچھے نچر پر آ جاؤ، رسول اللہ کی خدمت میں چل کے تمہارے لئے امان حاصل کئے لیتا ہوں،“ ابوسفیان نے اسے منظور کیا اور خدمت نبویؐ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرت سے یہ بھی عرض کیا کہ ابوسفیان ایک فخار آدمی ہے، اسے کوئی امتیاز عطا کیجے۔ آپ نے فرمایا: ”جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں چلا جائیگا اُسکے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد الحرام میں چلا جائیگا اُسکے لئے امان ہے۔“

مشرف باسلام ہو کر ابوسفیان مکہ گئے اور قریش کو باوازا بلند پکارا ”یہ دیکھو محمدؐ لشکرِ جبرائیلؑ لائے آپہنچے، تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے، جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اُسکے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائیگا اُسکے لئے امان ہے،“ پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے پھر ابوسفیان پر ناراض ہو کر کہنے لگے: ”خدا تجھے غارت کرے، تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دیگا!“ پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

ادھر رسول اللہ صلعمؐ مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالد کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قرشی تعرض کرے تو بے تکلف قتل کرتے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔

حماس بن قیس رسول اللہ کے داخلہ سے پہلے ہتیار ہتیا کر رہا تھا، اسکی بیوی نے پوچھا یہ طیاریاں کس کیلئے ہیں؟ بولا ”محمدؐ اور اُنکے ساتھیوں کیلئے،“ وہ کہنے لگی ”واللہ تمہارے یہ ہتیار محمدؐ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے!“ اس پر وہ غر سے بولا ”خدا کی قسم میں اُن میں سے ایک دو کو پکڑ کے تیری غلامی میں رکھوں گا“ پھر یہ شعر پڑھا:

ان یقبلوا الیوم فمالی علة هذا سلاح کامل وآلة

ترجہ اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ پورے ہتھیار اور مکمل ساز و سامان موجود ہے۔

اسکے بعد ہی خالد بن ولید کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کیلئے یہ بھی نکلا، معمولی چھپر چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے، پھر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور بھگڑ ورنے ساتھ حماس بھی بھاگا، ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ، وہ کہنے لگی، "اور وہ تمہارا فخر کیا ہوگا؟"

رسول اللہ صلعم نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا، ہاجرین و انصار آگے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضور ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے، اُسے چھو اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اُسکے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کے زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے: "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا" (۱۵۱: ۹۰) "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ" (۲۲: ۱۲)۔ عجب منظر تھا، عرب کے بیضاویکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے، اُنکے پرستار دیکھتے تھے گرد م مارنے کا یا رانہ تھا! اُس دن اسلام کے خدایت السموات والارض کا بول بالا ہوا اور اُسکا گھر ہمیشہ کیلئے مبنیٰ باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا !!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہ کو بلا یا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی تھی، کنجی طلب کی اور اُس پر سے تصویریں مٹا دیں جن میں علاوہ اوردوں کے حضرت ابراہیم و اسمعیل کی تصویریں بھی تھیں۔ پھر نماز پڑھی، کعبہ کے اندر داخل ہوئے، تکبیر کہی اور لوٹ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بیٹھڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے حسبِ نیل کلمات کہے:

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اُسکا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا

کر دیا، اپنے بندہ کو فقیاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں، صرف کعب کی تولیت اور حاجیوں کا پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قریش، خدا نے تم سے جاہلیت کا عہد دور اور باپ دادا پر گھمن ڈور کر دیا، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم سٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی:) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

(۱۸: ۲۶) (اے لوگو! ہم نے تمہیں نر مادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبیلے بنا دیا۔ اگر باہم جانو پہچانو، خدا کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے الخ) پھر فرمایا ”قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کرونگا؟ سب پکار اٹھے: ”اچھا سلوک، آپ شریف برادر اور شریف برادر زادہ ہیں!“ فرمایا ”میں اس وقت تم سے وہی کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی ”لَا تَزَيِّبْ عَلَيَّ كُفْرًا لَّيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ ذِكْرًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (۱۲: ۱۳) (آج تم پر کچھ بھی الزام و ملامت نہیں) جاؤ تم سب آؤ اور!“

اسکے بعد صبح مسجد میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت علیؑ ہاتھ میں خانہ کعبہ کی کنجی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: ”یا رسول اللہ! حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی میں بخش دیجئے،“ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمان بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو انکی طرف کنجی بڑھاتے ہوئے فرمایا ”لو یہ کنجی لو آج نیکی اور ایثار و عہد کا دن ہے،“ پھر اُم ایمن بنت ابی طالب (ابنی چیمیری ہیں) کے گھر تشریف لی گئیں غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضعی کا تھا، اسی لئے بعض لوگوں نے غلطی سے خیال کر لیا ہے کہ یہ صلوٰۃ ضعی تھی، حالانکہ نماز شکر تھی جو اس فتح میں کے شکرانہ لے یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے بھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور جہر ہو چکیں سب

میں ادا کی گئی تھی، جسکی دلیل خود اُمّ بانی کی حدیث میں موجود ہے کہ ”اس دن سے پہلے اور عیچھے کبھی میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا“، علاوہ ازیں اسراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نماز شکر ادا کیا کرتے تھے۔

غزوہ حنین

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوازن کو رسول اللہ صلعم کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی طیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو عبد اللہ الاسلمی کو جا سوسی کیلئے بھیجا، انہوں نے اگر تمام حالات بیان کئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیشقدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائیگا تو وہ خود آکر مکہ پر حملہ کر دیگا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کیلئے خود بھی تیاری کی۔ صفوان بن امیہؓ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا۔ آپ نے بلا کر فرمایا ”اپنے ہتھیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں“ اُس نے کہا ”محمدؐ! کیا غصب کرنا چاہتے ہو؟“ فرمایا ”نہیں بلکہ عاریتہ چاہتا ہوں“ چنانچہ اُس نے سوزر ہیں اور اتنے ہی ہتھیار دیدئے۔

آنحضرتؐ صلعم نے کوچ شروع کیا، دس ہزار ہاجرین و انصار جو فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ غتاب بن اسیدؓ کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ یہ لشکر گراں یلغاریں مارتا روانہ ہوا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایاتِ ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہو چکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پڑتیج راستوں میں جا بجا ہارے تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بیخبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بُری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً اہمیت نہ لینے دی۔ اس ناگہانی مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی اتبری سے بھاگنے لگے۔

رسول اللہ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے: ”لوگو! کہاں؟ کہاں؟“
ادھر آؤ، میں رسول اللہ ہوں! میں محمد بن عبد اللہ ہوں! لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے
بھاگ رہے تھے، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپ کے
اہل بیت باقی رہ گئے تھے۔

مکہ کے اُجدگنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا
بنفص نکالنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا ”اب یہ بھگورے سمندر سے ادھر نہیں رکنے کے!“
کلدہ نے کہا ”لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!“

حضرت عباسؓ کی روایت ہے: ”میں یوم حنین میں رسول اللہ کے ساتھ تھا اور آپ
کے خچر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلائے ”
لوگو! کہاں کہاں؟“ مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فریہ اور بلند آواز آدمی تھا، مجھ سے
فرمانے لگے: ”عباس، انصاریوں کو ذرا آواز دو۔“ میں چلا یا ”اے قوم انصار!“ لوگ
سُنتے ہی ”لبتیک! لبتیک!“ کہتے دوڑے اور رسول اللہ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ
شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا۔“

فتح کے بعد آپ نے مال غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام جعرانہ میں یحیٰ بن حاکم
دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۴۴ ہزار اونٹ، ۴۴ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار
اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم
نہ کیا کہ شاید انکے اعزاء مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لیجائیں۔ انتظار کے بعد مال غنیمت کی
تقسیم شروع کی، سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصہ لگایا، ابوسفیان کو ۴۰۔ اوقیہ چاندی
اور تئو اونٹ دئے، وہ کہنے لگے ”اور میرے بیٹے یزید کیلئے؟“ آپ نے انہیں مزید ۴۰
اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیدئے۔ وہ پھر بولے ”اور معاویہ کیلئے؟“ آپ نے معاویہ
کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دیدیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مال غنیمت

عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

ابوسعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چیمگوٹیاں کرنے لگے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہ ”لا اکہ“ رسول اللہؐ اپنی قوم سے مل گئے ہیں!، سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سنا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا: ”انصار کو جمع کر دو“ پھر اُن میں تشریف لیگئے اور خطبہ دیا:

”انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور خدا نے مجھے بھیجا کہ تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور خدا نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور خدا نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دے؟“ آپ خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اُٹھے ”و اللہ اور اُسکے رسول کے احسانات ہم پر بہت ہیں!“ آپ نے پھر فرمایا: ”انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟“ کہنے لگے ”یا رسول اللہ! کیا جواب دیں؟ آپ کے ہم پر بیشمار احسان ہیں“، فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جسکی حرف بحرف میں خود تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلایا تھا، ہمارے پاس آیا تو ہم نے تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر مددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی! تو محتاج تھا، ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے دنیا سے دوں دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کرنے کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہو گے کہ اور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ لیکر جاؤں

اور تم اپنے گھر رسول اللہ کو لیکر لوٹو؛ قسم ہے اُسکی جسکے قبضہ میں محمد کی جان ہے جو کچھ تم لیکر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لیکر لوٹینگے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغرب میں اور تمام لوگ چھلکا۔ خداوند! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر!! اس پُر اثر خطبے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انصاری چلائے: ہم رسول اللہ کو حصہ میں پا کر بہت خوش ہیں!“

عنزوہ تبوک

رجب ۹ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں فوجیں جمع کی ہیں، ہر قتل شاہِ روم نے سال بھر کی رسد دیکر ایک لشکر تیار کیا ہے، حدودِ عرب کے عربی قبیلے غم و جدم و عاملہ و غسان انکے ساتھ ہو گئے ہیں اور مقدمہ الجیش لینا کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرت نے مالداروں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے تمہیل کی حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

آپ کا دستور تھا کہ جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن تبوک کے موقع پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔ جبر بن قیس سے فرمایا: ”اے جد، کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کیلئے چلو گے؟“ اُس نے حیلہ سازی کی: ”یا رسول اللہ، کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھینگے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں!“ آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا خیر نہ جاؤ، اس پر آیت نازل ہوئی: ”وَمِنْهُمْ مَنْ“

يَقُولُ اِذْنِي لِي وَلَا تَقْنِي ۖ (۱۰: ۱۳) منافقوں نے تمہیں بہت کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ، اس پر آیت اُتری: ”وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارِجَهْتُمْ اَمَشَدُ حَرًّا، لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ“ (۱۰: ۱۷)۔

اس موقع پر اشعریلوں نے ابو موسیٰ کو بھیجا کہ آنحضرت سے سواریاں مانگیں، آپ اُس وقت ناراض تھے، غصہ سے فرمانے لگے: ”واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دوں گا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں،“ اسکے بعد ہی کچھ اونٹ آگئے، آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور انہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دئے، ساتھ ہی فرمایا ”میں نے تمہیں سواری نہیں دی، لیکن وہ خدا ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دئے ہیں۔ میں جب قسم کھاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اسکے خلاف عمل کرنا ہتر ہے تو قسم توڑ کے کفارہ ادا کروں گا،“

اسی موقع پر ایک رات علیہ بن زید نے نماز پڑھی اور درود کے دعا کی: خداوند! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسول کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسول کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لیجا سکے، خداوند! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے، جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی!“ اس پر آنحضرت نے فرمایا ”علیہ، تیری یہ دعا بطور زکوٰۃ مقبول لکھ لی گئی!“

جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا، آپ نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا: ”یہ تحریر یحییٰ بن رومیہ اور اسکی قوم اہل ایلہ کیلئے خدا اور خدا کے رسول محمد نبی کی طرف سے امان ہے“

۱۵ ان میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں مجھے وہ جانیکی اجازت دیدیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے۔
۱۶ ۱۷ کہتے ہیں گرمی میں کوہ نہ کرو، اے پیغمبر کہدو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے کاش ان میں عقل ہوتی۔

اہل ایلہ اور ان کے ساتھی شامیوں، یمینیوں اور اہل بحرین کیلئے خشکی اور تری میں پناہ ہے،
 مکی کشتیاں اور ان کے قافلے اللہ اور محمد نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر ان کا کوئی آدمی خلافت
 معاہدہ کوئی کام کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکیگا بلکہ وہ ہر کس و ناکس کے لئے صباح
 ہوگی۔ ان کیلئے جائز نہیں کہ خشکی یا تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے سے روکیں۔“

آنحضرت نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسبِ ذیل ہے :

”اما بعد سب سے زیادہ سچی بات کتاب اللہ ہے۔ سب سے بڑا سہارا تقویٰ ہے۔
 سب سے اچھی ملت، ملتِ ابراہیمی ہے۔ سب سے بہتر سنت، سنتِ محمدی ہے۔ سب سے
 اچھی بات، ذکرِ الہی ہے۔ سب سے عظیم و استوانہ قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام، عزیمت کے
 کام ہیں۔ سب سے بُرے کام، بغت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ، انبیاء کا راستہ ہے۔ سب سے
 زیادہ معزز موت، شہادت کی موت ہے۔ بدترین کور بصری، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے
 اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جسکی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی
 دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا اٹھا لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو
 اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین توبہ، موت کے وقت کی توبہ
 ہے۔ بدترین ندامت، قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پشت پھیر کے جمعو
 کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا، جھوٹی
 زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت، دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر روشہ، تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی
 دانائی، مخافتِ الہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک، کفر کی ایک
 شاخ ہے۔ میت پر نور، جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت، جہنم کی گرمی
 ہے۔ شراب گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعہ معاش، یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب
 وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا مدار اُس کے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب
 جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا، فسق ہے۔ مسلمان کا قتل، کفر ہے۔ نیت کر کے مسلمان

کا گوشت کھانا، معصیت ہے مسلمان کے مال کی حرمت، اسکی جان کی حرمت کے برابر ہے۔ جو عاف کرتا ہے، خدا اُسے معاف کریگا۔ جو غصہ پیتا ہے، خدا سے اجڑا بیگنا۔ جو نافرمانی کرتا ہے، خدا اُسے عذاب میں ڈالے گا۔ اس کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہا اور خطبہ ختم کر دیا۔

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں سحلی اللہ کو گھاٹی میں کہیں رگرا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اُنکے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت ”وَهَمُّوا بِمَكِيدِنَا لَوْ اَنَّ“ (۱۶:۱۰) میں اشارہ کیا ہے۔

اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجدِ ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا ”اپنے لئے الگ ایک مسجد بناؤ اور جہاں تک آدمی اور ہتیار ہو سکیں، جمع کرو، میں قیصرِ روم کے پاس جا کر ایک لشکرِ عظیم لاؤں گا اور محمد کو مع اُنکے اصحاب کے نکال باہر کر دوں گا!“ چنانچہ جب مسجدِ طیار ہو گئی تو یہ منافق خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے، چل کر اُس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ

موجبِ برکت ہو۔ اس پر آیت ”لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا، لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ“ (۲:۱۱) نازل ہوئی۔

مسجدِ ضرار والوں نے یہی درخواست اُس وقت بھی کی تھی جب آپ تبوک کیلئے طیاریں کر رہے تھے، چنانچہ کہا تھا ”یا رسول اللہ! ہم نے بیماروں، حاجتمندوں اور ضرورت کے وقتوں کیلئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، کیا اچھا ہو اگر آپ دودھ کت پڑھ کر اُسے متبرک کر دیں“ اس وقت آپ نے جواب دیا تھا کہ ”سفر درپیش ہے، پابریکاب ہو رہا ہوں، عیدِ المفرت ہو، واپس آؤں تو یاد دلانا، انشاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھ دوں گا“ لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپ نے مالک بن الدخشم اور بن لہ اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھو، جو مسجد اول دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجدِ قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ

اس میں نماز پڑھو“

بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ ”اس مسجد کو جا کر ڈھاؤ اور جلا دو!“ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے ادھر ادھر چلے گئے۔ قرآن میں ہے: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَرْحُمُونَ الْمُؤْمِنِينَ حَارِبٌ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلُقَنَّ
إِنْ أَرَادْنَا إِلَّا الْإِخْسَاءَ، وَاللَّهُ يَهْتَدِي لَكُمْ دَبِيرًا (۲۰:۱۱)۔

تبوک سے رسول اللہ صلم مظفر منصور واپس لوٹے تھے، سفر لمبا تھا، خطرے بیشمار تھے، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوش خبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی، ہر قسم کے آدمی، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، لڑکے لوگ سب استقبال کیلئے باہر نکل آئے، مدینہ کی لوگیاں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ کا استقبال کیا:

طلع المبدر علينا من ثنديات الوداع

وجب الشكر علينا ما دع الله داع

(ترجمہ بدر نے ”ثنیات الوداع“ سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کیلئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہو گیا!)

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے، انکی روایتوں میں ہے کہ یہ شعر اُس وقت گائے گئے تھے جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام ”ثنیات الوداع“ ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا، سب سے پہلے مسجد میں اُشریت لائے اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے، جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آکر معذرت کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے سب کے عذر قبول کر لئے، کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا، لوگوں کے ظاہر کر لے لیا اور دلوں کا معاملہ علام الغیوب کے حوالہ کر دیا۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی تھی۔

لے کتب سیرت مرثیہ میں مثنیٰ ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہ نے کسی بدعتی اسلام کو اسکے اعمال و خیالات

وفدِ عرب

فتح مکہ اور جنگِ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھادی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبیدہ بڑھادیا اور تمام اطرافِ عرب سے وفد آنا شروع ہوئے تاکہ مشرف باسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔ ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلنا شروع کیا: ”محمد! محمد! باہر آؤ“ آنحضرتؐ کو اس شور و غل سے اذیت ہوئی جس پر آیت نازل ہوئی: ”إِنَّ الَّذِينَ يَتَأَدُّونَكُمْ مِنْ دُءَابِئِ النَّجْوَاتِ الْكَاذِبِينَ لَا يُعْقِلُونَ“ (۱۳: ۲۶) بنی تمیم کے وفد میں اُن کا قومی شاعر ”زبرقان“ بھی تھا، وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلہ کے منافخِ سنہانے لگا، اُس کا ایک شعر ہے:

نحن الملوك فلا نحى يعادلنا من الملوك و فینا تنصب البیع

ترجمہ (ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کر سکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادتِ خلتانے قائم ہوتے ہیں)

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام حضرت حسانؓ کو جوش آگیا، اُنہوں نے ایک نہایت مؤثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:

ان الذوائب من فہر و اخوتہم قد بینوا سئتہ للناس تتبع

ترجمہ (فہر (فریش) کے سرداروں اور اُن کے بھائیوں نے دنیا کیلئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جسکی پیروی کی جاتی ہے)

یرضی بہم کل من کانت سریرتہ تقوی الالہ و کل الخیر یصطنع

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۶۹) کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہو اور کفر کی ہر اُسکی پیشانی پر لگادی ہو، جیسا کہ آج کل ہمارے نام نہاد علماء کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مصلہ اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے، کوئی اُسے ملت سے خارج نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ وہ خود اُس دروازہ سے نکلا جائے جس سے اللہ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ مترجم۔
اُسے جو لوگ تجھے جڑوں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں۔

ترجمہ (انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جسکے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے)۔

قوم اذا حاربوا ضروا وعدوهموا او حاربوا النفع في اشياءهم نفعوا
ترجمہ (یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نینچا دکھا دیتے ہیں۔ اور جب دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہنچاتے ہیں)

مجیۃ تلك فيهم غير محدثة ان الخلائق فاعلم شرها البدع
ترجمہ (یہ انکی ایک ایسی خصلت ہے جو جہلی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو)

حضرت حسان کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیس وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا ”یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت صلم) با اقبال ہے، اسکا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اسکا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے!“ یہ لوگ اسلام لے آئے، رسول اللہ صلم نے ان کے ساتھ بہت اچھا سا رک کیا، اور انکے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دئے۔

وفد عبد القیس

صحیحین میں ہے کہ جب ”عبد القیس“ کا وفد حاضر ہوا، رسالت پناہ صلم نے دریافت کیا: ”کون لوگ ہو؟“ عرض کیا: ”ہم قوم ربیعہ سے ہیں“ فرمایا: ”خوش آمدید، تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ تداومت!“ عرض کرنے لگے: ”یا رسول اللہ، ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں، ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، آپ ہمیں ایک مختتم بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں، لوگوں کو اسکی تعلیم دیں، اور جنت سے شاد کام ہو جائیں“ فرمایا: ”چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو ”ایمان“ کیا ہے؟ شہادت دو

کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور مال غنیمت میں سے خمس بیت المال میں دو۔ چار چیزوں سے منع کرتا ہوں:“ (آپ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کیلئے استعمال کئے جاتے تھے)

وقد بنی حنیفہ

ابو اسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا، مسیلّمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا، لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور آنحضرت صلعم کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجع عبارتیں بھی بنائیں، چنانچہ

ایک عبارت یہ تھی: لقد انعم الله على الحبلى، اخرج منه نسمة تسعي، من بين صفاق وحشى، نماز معائن کر دی، شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ بنی حنیفہ کے بہت سارہ لوح اسکے دھوکہ میں آ گئے اور گمراہ ہوئے۔ اُس نے رسول اللہ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ: ”من مسيلمۃ رسول الله الى محمد رسول الله، اما بعد، فاني اشركت في الامور

معك، وان لنا نصف الامور لقريش نصف الامور ليس قريش قوم اعداؤن، اپنے جو آپ تحریر فرمایا: ”بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله الى مسيلمۃ الكذاب سلام على من اتبع الهدى، اما بعد، فان لا ارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين“

۱؎ خدا نے حاضر پرا احسان کیا، اس سے ذی روح نکالا جو چلتا ہے، مابین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور عمدہ سے۔

۲؎ مسیلّمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف، اما بعد، میں تمہارا سا بھی بنا دیا گیا ہوں، آدھا ہما لئے ہے اور آدھا قریش کیلئے، لیکن قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

۳؎ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلّمہ کذاب کی طرف، سلام اس پر جو ہدایت پر چلے، اما بعد زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں جسے چاہے اُس کا وارث بنا دے، نتیجہ پر بہتر گاروں کیلئے ہے۔

وفدِ نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساتھ عیسیٰ ٹیول کا ایک وفد حاضر ہوا، عصر کے بعد مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی، لوگ منع کرنے اُٹھے، مگر آنحضرتؐ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دیدی۔ یہیں مسجد میں مدینہ کے یہودی اخبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہو گیا۔ یہودی جسبر نے کہا: ”ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے۔“ عیسائی راہب نے کہا: ”بلکہ عیسائی تھے“ اس پر آیت نازل ہوئی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُخَاجُّونَ فِي
أَبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ
إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ، أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ هَا
أَنْتُمْ هَلُوا لَأَبْرَحًا جَحْتُمْ فِي مَا لَكُمْ بِهِ
عِلْمٌ قُلْ خُجَّاجُونَ فِي مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ مَا كَانَ
أَبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ
حَنِيفًا مَسْلُومًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔
إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ هِيَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ
وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا، وَاللَّهُ
دَلِيلُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۳: ۷۵)

اے اہل کتاب ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو
اور تورات اور انجیل تو انکے بعد نازل ہوئیں، کیا تم اتنا
بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر
چکے ہو جن کا تمہیں کچھ علم تھا، مگر جن باتوں کا تمہیں
کچھ بھی علم نہیں ان میں کیوں جھگڑتے ہو، اللہ جانتا
ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور
نہ نصرانی، بلکہ سب سے پھرے ہوئے اللہ کے فرمانبردار
تھے اور مشرک بھی نہ تھے مابراہیم سے خصوصیت کے
بڑے حقدار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی
کی اور یہ پیغمبر اور مومنین، اللہ مومنوں کا مددگار
ہے۔

یہ سن کر ایک یہودی بول اُٹھا: ”یا محمد! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اُسی طرح
پرستش کریں جس طرح عیسائی، عیسیٰ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں؟“ عیسائی راہب نے بھی یہی
لے اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدر اقل
میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

سوال کیا۔ رسول اللہ نے جواب دیا: ”معاذ اللہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں، خدا نے مجھے نہ اسلئے بھیجا ہے نہ اسکا حکم دیا ہے“ اس پر قرآن نازل ہوا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالنَّبُوءَةَ شُمْ يَقُولُ يَلْتَأْسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ، وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعْمَلُونَ. الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، وَلَا يَأْمُرُ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالْمُنَافِقِينَ أَرْبَابًا، أَيَا مُرَكَّبًا يُكْفَرُ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۱۳: ۲۶)

کسی انسان کو بھی شایاں نہیں کہ خدا اسکو کتاب اور پیغمبری عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ وہ تو یہی کہیگا کہ خدا پرست ہو اسلئے کہ تم دوسرے کو کتاب الہی پڑھاتے رہے ہو اور اسلئے کہ تم خود بھی پڑھتے رہے ہو، اور وہ تم سے کہی نہیں کیگا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مانو، بھلا اسلام لا چکنے کے بعد وہ تمہیں کفر کا نیک حکم دیگا؟

اسکے بعد عیسائیوں نے آنحضرت صلعم کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا ”ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں آپ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں“ آپ نے جواب دیا: ”آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کل جو کچھ مجھے بتا دیا جائیگا اس سے مطلع کروں گا، چنانچہ انکے جواب میں آیت نازل ہوئی:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ، الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ، فَمَنْ حَاجَبَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَكَ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَ

اللہ کے ہاں عیسیٰ آدم کی مانند ہیں کہ خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا ہو جا اور وہ ہو گیا، اے پیغمبر! یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کر نہیو! میں نہ ہونا۔ پس اس علم کے بعد اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو کہہ دے کہ اچھا آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی بیٹیوں کو بلائیں اور تم اپنی بیٹیوں کو، اور خود اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو

صلوٰۃ خوف میں اسوۂ نبویؐ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپؐ پیچھے تمام مسلمان صغیر باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب اتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے، لیکن سجدہ صرف اول صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کیلئے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ آپ سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے، اس وقت دوسری صف سجدہ کرتی، پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پھل صف اسکی جگہ پر آ جاتی تاکہ رسول اللہ کے ساتھ سجدہ کر نیکی فضیلت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اول صف (جو اس رکعت میں پھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ جب آپ تشدد کیلئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشدد میں شریک ہو کر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا تو متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے :

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے: ایک گروہ آپ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دو سکر گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا، اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپ سلام پھیرتے تو

(ترجمہ صفحہ ۱۷۵) عَلَیْكُمْ مِثْلَهُ وَاحِدَةً، وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًی مِنْ مَطَرٍ اَوْ لَنْتُمْ مَرْضًی اَنْ تَقْصَعُوْا رُءُوسَكُمْ وَاحِدًا رُّكْعًا اِنْ اَللّٰهُ اَعَدَّ لِلْكَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ وَ اِذَا قَعَسْتُمْ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ قِیَامًا وَ قُعُوْدًا وَّ اَعْلٰی جُنُوبِكُمْ، فَاِذَا اٰلَمْ اَنْتُمْ فَاَقِمُوا الصَّلٰوةَ اِنْ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْعًا۔ (۱۲: ۵) (ترجمہ مسلمانوں! جب تم کہیں جاؤ اور ڈرو کہ کفار تمہیں ستائیں گے (ٹانگے) تو کچھ حرج نہیں کہ نماز میں قصر کرو..... اے پیغمبر جب تم مسلمانوں میں ہو اور انکو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانوں کی ایک جماعت مقتدی بن کر تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھارے رہیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک شریک نماز نہیں ہوئی، اگر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہو اور ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھارے رہیں، کافروں کی تو یہی خوشی ہے کہ تم اپنے ہتھاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکساں کی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تم لوگوں کو ہمینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بہار ہو تو اپنے ہتھارے اتار رکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں اپنی ہوشیاری رکھو..... پھر جب نماز پوری کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اندک یاد کرتے رہو اور جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز (معمول کے مطابق) کو قائم کر دو کیونکہ مومنین پر نماز بقید وقت فرض ہے۔

دونو گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے، پھر اُسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لیجاتے اور اُسکے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے، لیکن اس وقت تک رکوع میں نہ جلتے جب تک پہلا گروہ اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا۔ جب فارغ ہو جاتا تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتے اور تشہد کیلئے بیٹھ جاتے، مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا، انتظار کرتے، اور پھر اُسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے، پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے، پھر دوسرا گروہ آتا اور اُسکے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونو گروہ آپ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

صلوة الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

مدت سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کم میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ آپ نے قصر کیلئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونی کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپ کا اتنی مدت قیام محض اتفاق تھا، سفر بہر حال سفر ہے، عام اس سے کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم، البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر، سفر نہیں رہتا۔

نافع کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آذربائی جان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبید اللہ کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔ حضرت انس کا قول ہے کہ ”راہِ رمز“ میں صحابہ سات مہینے ٹھیرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسن کی روایت ہے کہ میں حضرت عبدالرحمن بن بمرہؓ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے۔ ابراہیمؓ کا قول ہے کہ صحابہؓ ری اور سجستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہے۔

یہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کا اسوہ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھیر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہیگا۔

باب القضاء

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

قصاص

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے نیچے میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسکا سر بھی اسطرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائیگا۔

احمد و نسائی وغیرہ میں حضرت براء کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابو براء سے ہوئی، وہ جھنڈا اٹھائے جا رہے تھے، دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو جا کر قتل کر ڈالوں اور اس کے مال و متاع پر قبضہ کر لوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: ”مُحَرَّمَات سے جو زنا کرے اسے قتل کر ڈالو“

صحیحین میں ہے کہ انصر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک معاملہ پہنچا، آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ ام ربیع (مجرمہ کی ماں) نے عرض کی: ”یا رسول اللہ کیا آپ اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!“ آپ نے فرمایا: ”سبحان اللہ! ام ربیع، اللہ کا حکم قصاص ہے!“ کہنے لگیں: ”نہیں واللہ آپ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے“ اسی اثنا میں باہم صلح ہو گئی اور لڑکی والوں نے ویت قبول کر لی۔ اس پر آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنکی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے۔“

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا، اُس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ تک شکایت پہنچی، فرمایا: ”مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو، جا تیرے لئے کچھ بھی دیت نہیں،“ اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو کچھ بھی نقصان ہو جائے مظلوم اُس کا ذمہ وار نہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہ کی روایت ہے: ”اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالو، تو تم پر کوئی الزام نہیں“ دوسری روایت میں ہے: ”اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص۔“ صحیحین میں ہے کہ ”ایک شخص آنحضرتؐ کے حجرہ میں جھانکنے لگا، آپ چھری کا پھل لیکر اُٹھے اور اُسے مائے کیلئے موقعہ ڈھونڈنے لگے۔“

ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتلِ عمد کی مرتکب ہو تو اُس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک بچہ جن نہ لے اور بچہ کی کفالت نہ ہو جائے۔ احمد و نسائی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

زنا

سنن میں ہسل بن سعد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپؐ نے عورت کو طلب کیا، اُس نے انکار کیا، آپؐ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے درے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے، ایک یہ کہ اگر عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائیگی، دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہوگی، قذف کی نہ ہوگی۔

اگر لونڈی زنا کرے تو درے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے: ”اگر کسی کی لونڈی

زنا کرے تو چاہئے کہ درے لگائے، حضرت علیؓ نے فرمایا: ”لوگو، اپنے لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو، عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسول اللہ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپ نے مجھے اُسکے درے لگانے کا حکم دیا تھا۔“

شراب

شرابِ خمر کو چھڑیلوں اور جو قوس سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیرنگن کر چالیس دے بھی لگائے ہیں جسکی پیروی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی کی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ رسول اللہ نے شرابِ خمر کو اسی درے لگائے تھے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شراب پینے والی کی کوئی مقرر نہ شریعت نے نہیں بتائی۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیث قتل کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں جو فرماتے ہیں: ”چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ، میں خود تمہاری طرف سے اُسے قتل کر دوں گا۔“

قیدی

آنحضرتؐ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا، بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا، بعض سے فدیہ قبول کر لیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دیدیا، بعض کو غلام بنایا، لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مالِ غنیمت

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: ”زکوٰۃ، غنیمت، فِیْئَہُ زکوٰۃ کا مصرف“ اِنَّمَا الْعَتَدُ قَاتٌ“ (۱۴: ۱۰) والی آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے: ”وَاَعْلَمُوْا اَنَّ مَّا غَنِمْتُمْ مِنْہٗ“

فِیْئَہُ اُس مالِ غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

مَنْعِي فَإِنَّ لِلَّهِ ثَمَسَهُ“ (۱۰:۱۰) رہے باقی چار حصے تو غنیمت حاصل کر نیوالوں کا حق ہے :
”سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ۔ سَلْب، قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاء عہد

مسیلہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے ”ہم مسیلہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں“ فرمایا:
”اگر قاصد قتل نہ کئے جاتے ہوتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا“ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ
معادہ مدیمیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپ نے ابو جندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب
عورتیں آئیں تو ان کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیۃ الاسلامیہ سلمان ہو کر
آگئی، اُسکا شوہر واپس لینے آیا، اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مِهَاجِرَاتٍ فَاْمُحِصُوهُنَّ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ
فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ
يُمَكِّنُونَ لَهُنَّ وَاَتَوْهُنَّ مَا نَفَقُوا اَلَمْ (۸:۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے
خاندان میں کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے۔ اُس نے قسم
کھائی، آپ نے شوہر کو اُسکا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان

صحیح حدیث ہے: ”مسلمانوں کے خون برابر درجہ کے ہیں، اور ان کا ادنیٰ ترین فرد
بھی امان دے سکتا ہے“

آپ کی پیغمبری بن ام مانی نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپ نے قبول کر لی۔

۱۔ سلب، وصال و ہتیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالت قتل میں ملیں۔

۲۔ مسلمانو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں تو تم انکے ایمان کی جانچ کرو (یوں تو اللہ انکے
ایمان کو بہتر جانتا ہے) پس اگر تم ان کو مومن سمجھ لو تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں نہ ان کیلئے
محال ہیں اور نہ وہ ان کیلئے محال ہیں، اور جو کچھ کافروں نے ان پر خرچ کیا ہے وہ ان کو ادا کر دو۔ الخ۔

اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زینب کی پناہ انکے شوہر ابو العاص بن الربیع کے حق میں منظور کر لی اور فرمایا: ”ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔“

حبشیہ

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلا عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومتہ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش

بریرہ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اُسکے عقد میں پھر آجائے۔ اُس نے عرض کی: ”یہ آپ کا حکم ہے؟“ فرمایا ”نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں“ کہنے لگی تو مجھے منظور نہیں!“ اس جواب سے آپ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ کا خریدنا اور کھانا

حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگرچہ ایک درہم میں ملتا ہو۔ لیکن آپ نے اُس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہ کو بطور صدقہ کے دیا اور جسے اُس نے ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فرمایا: ”یہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اُسکی طرف سے ہدیہ ہے۔“

باب الاحکام

نکاح

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کیلئے آنحضرت صلیم نے صحابہؓ کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا :

”الحمد لله محمدہ و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا، من يهد الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي له، و اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله - ” يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته و لا تموتن الا و انتم مسلمون “ يا ايها الناس انا خلقناكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها و بن منها رجلا كثيرا و نساء و اتقوا الله الذي تساءلون به و الا رحام ان الله كان عليكم رقيبا، ” يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله و قولوا قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم و يغفر لکم ذنوبکم و من يطع الله و رسوله فقد فاز فوزا عظيما “

۱۔ ہر قسم کی ستائش خدا کیلئے ہے، ہم اُسی کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جسے خدا ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہدایت نہ کیجئے اُسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت ٹکڑوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ”مومنو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور اسی حل میں رو کہ تم مسلمان ہو، اورو لوگو! ہم نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جڑ پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیل گئیں، اس خدا سے ڈرو جسکے نام پر مانگتے ہو آپس میں

کیئے ہے، کہا بلکہ سب کاموں کیئے۔

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت، خادم، یا سواری ملے تو لو، بسم اللہ کہو، خدا سے برکت چاہو اور دعا کرو: خدا یا میں اُس خیر کا طالب ہوں جو اس میں اہ اس کی فطرت میں ہے، اور اُس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔“

جب کسی کی شادی ہوتی آپ اُسے مبارکباد دیتے: بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَکُمَا فِي خَيْرٍ (خدا تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے)۔

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہو اور دعا کرو: ”بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا“ (اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے اُسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ) تو اگر اس اجتماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے شیطان اُسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیگا۔“

نکاح کی ترغیب

آپ نے امت کو تامل کی زندگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ حدیث میں ہے: ”نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کروں گا۔“ اور فرمایا: ”میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنت سے منہ موڑے، میری جماعت سے نہیں،“ اور فرمایا: ”نوجوانو! جو تم میں نکاح کر سکتا ہے، نکاح کرے کیونکہ نکاح نظر اور نفس و نو کو محفوظ (بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۸۴) اور دُرو قرابت کے معاملہ میں۔ اللہ بلا شک تم پر نگہبان ہے۔“ ”مومنو!

اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو، تاکہ تمہارے لئے تمہارے عمل دست کر دے، تمہارے گناہ تمہیں ملان کر دے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، بلا شک عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔“

رکھتا ہے، اور جسے اسکی مقدرت نہ ہو، چاہئے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے، اور فرمایا: ”دنیا سراسر عیش ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے،“ حدیث میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟ فرمایا: ”وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہو، اسکے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال نفوس میں اسکی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو،“ صحیحین میں ہے: ”عورت سے شادی یا تو اسکے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے، یا حسن کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دیندار بیوی پا کر بازی لے جاؤ۔“ آپ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کر نیوالی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلاتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت

صحیحین میں ہے کہ خنساء بنت جدام کا نکاح اسکے باپ نے اسکی مرضی کے خلاف کر دیا تھا، وہ بالغ اور کتھا تھی، اُس نے آکر آنحضرت سے شکایت کی، آپ نے نکاح بطل کر دیا۔ سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی، وہ حاضر ہوئی تو آپ نے اختیار دیدیا کہ نکاح چاہے رکھے یا رد کرے۔ صحیح حدیث میں ہے: ”ناکثہ کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے نہ کیا جائے، اسکی اجازت خاموشی ہے،“ علامہ فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ ناکثہ کی اجازت اسکی خاموشی قرار دی اور کتھا کی اجازت زبان سے اقرار۔ حدیث میں ہے: یتیم لڑکی کا عقد بغیر اسکی اجازت نہ کیا جائے، اگر چُپ ہو جائے تو یہ اسکی اجازت ہے، اگر انکار کرے تو مجبور نہ کی جائے۔

اذن ولی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت خود نکاح کرے تو اسکا نکاح باطل ہے، اگر شوہر سے مقاربت ہوگئی تو نہر کی سختی ہوگی، اگر آپس میں جھگڑا ہو تو جسکا کوئی ولی نہیں، حاکم اسکا ولی بڑا زبردی)

صحیح حدیثوں میں ہے: ”ولی کے بغیر نکاح نہیں“ اور فرمایا: ”عورت، عورت کا نکاح نہ کئے اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے، کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپ کیا کرتی ہے!“



صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو ۱۲- اوقیہ مہر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرتؐ نے ۱۲- اوقیہ سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپؐ نے فرمایا: ”کچھ لاؤ اگرچہ لوہے کی ایک انگلی ہی کیون ہو“ لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: ”اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟“ اُس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ چنانچہ انہیں سورتوں کے یاد کرادیئے کو ہر قرار دیکر اسکا نکاح کر دیا۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا: ”سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو“

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا، آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اسکی ہمعصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔ ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے دریافت کیا: کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کریگی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اُس نے بھی رضامندی ظاہر کی، چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا

بلکہ آدھ میر سے کچھ کم۔

۱۳- ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے، لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر مانگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ حالانکہ یہ طریقہ اگر نکاح کو فاسد نہیں تو صحت مکروہ ضرور بنا دیتا ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی۔ (مترجم)

تھا۔ لیکن جب آپ کا وصال ہونے لگا تو آپ نے خیر کے حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو ہر کے عوض دیدیا۔

حاملہ سے نکاح

کتب سنن میں بصرہ بن اکثمؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک ناکتہ اسے نکاح کیا، خلوت پر معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے اسلئے اسکا ہر ادا کر دو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے درے لگائے۔

مشروط نکاح

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ”جو شرطیں سب سے زیادہ پوری کر نیکی ہیں، وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو،“ صحیح حدیث ہے: ”عورت کو نہیں چاہئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اسکی جگہ چلی جائے، کیونکہ اس کیلئے وہ ہے جو اسکی قسمت میں تھا،“ صحیحین میں ہے کہ: ”عورت نکاح میں اپنی بہن کی طلاق بطور شرط نہ رکھے۔“ مسند امام احمدؓ میں ہے: ”یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو“

شغار

صحیح مسلم میں ہے: ”اسلام میں شغار نہیں،“ شغار یہ ہے کہ بلا ہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں، اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں۔

۱۔ یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں، کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ بہن کے لفظ سے مراد ہر عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

تحلیل

ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَلِّل اور مُحَلِّل لہ دونوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: کیا میں تمہیں مانگے ہوئے بکرے کا حال نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کی ”ضرور یا رسول اللہ“ فرمایا: ”مانگا ہوا بکرہ مُحَلِّل ہے، اللہ کی لعنت ہو مُحَلِّل اور مُحَلِّل لہ دونوں پر۔“

نکاح مخم

صحیح مسلم میں ہے: ”حالت احرام میں مخم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ دوسروں کا کرے“
چار عورتوں سے زائد

ترمذی میں ہے کہ غیلان اسلام لایا تو اسکے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا ”چار رکھ کے باقی سب کو علیحدہ کر دو“ فیروز دلیلی اسلام لایا تو اسکے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا: ”دونوں میں جسے چاہو رکھ لو“ آپؐ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اسکی پوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کر نیکو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے

سنت نبویؐ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کر لے

”تحلیل“ یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اسلئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کیلئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے قرآن میں ہے ”.....حق تنکد زوجا غیرہ“، یعنی ملاقہ دینے والے کیلئے اسکی مطلقہ پھر جائز نہیں رہا۔ تنکد کہ دو سکے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد ملاقہ دیر سے تو پھر پہلے شوہر کیلئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہو گا۔ مگر علماء رسو نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کیلئے مطلقہ کا نکاح دو سکے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح ملاقہ دیدیتا ہے جسکے بعد پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے یہ لعاب الدین کی بدترین صورت ہے، مصر میں اسکا بہت رواج ہے خود دہشت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ ”ایجنسیاں“ بنی ہوئی ہیں جن میں جامع ازہر کے بہت سے طلباء و زہد پیشہ کرتے ہیں، ”مُحَلِّل“ سے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور ”مُحَلِّل لہ“ وہ ہے جسکے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے، یہ نہ آپ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ سے بلکہ آپ کا عمل اس کے خلاف بتحقق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ کی صاحبزادی زینب (علیہ السلام) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں اور جن کے شوہر پورے ۱۰ سال بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مگر آپ نے بلا تجدید نکاح حضرت زینبؓ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ دونوں تک باسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے، البتہ پچھ سال کی مدت دونوں کی جبرت کے مابین تھی۔

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ سنت نبویؐ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو ناکتہ کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہئے اور کتہ کے پاس تین دن، اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کرے۔

نکاح میں کفو کی شرط؛

ترمذی کی روایت ہے: ”جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہئے اس سے نکاح کر دو، ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا“، بنی بیاضہ سے فرمایا تھا: ”ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو“، حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنی بیوی پھیری بن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا تھا جو آپ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہ بنت قیس الغفریہ کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا تھا جو آپ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عبدالرحمن بن عوف قرشی کی بن حضرت بلالؓ کو بیاہ دی تھی جو ایک ثنی زعفریہ غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا، جب خلوت میں گئے

تو اُسکے پہلو میں سفیدی نظر آئی۔ فوراً علمی ہو گئے اور نہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا۔
موطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے: ”جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کانکاح ایسی عورت سے
کر دے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جلہ نہ کی صورت میں
عورت کو ہر لمبا یگیا اور ہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائیگی“

سُنن ابوداؤد میں ہے: عبد یزید البورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دیدی
اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کی:
”یا رسول اللہ! اسکا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ ابل! (اور اپنے سر کی ایک لٹ
لیکر دکھائی) لہذا آپ میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دیجئے،“ آپ نے ابورکانہ سے
فرمایا طلاق دیدو۔

ابن سیرین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا، اُس
نے ایک عورت سے عقد کیا، اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم نے
عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اسے بتاؤ اور اختیار دو کہ
رہے یا الگ ہو جائے۔

زین شہر کے مابین کام کی تقسیم

ابن حبیب کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ صلعم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین
کام کالج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ حضرت فاطمہؓ گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت
علیؓ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقہؓ کی روایت ہے کہ: میں حضرت زبیرؓ
کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی، اُنکے پاس ایک گھوڑا بھی تھا، میں اسے ملتی دلتی اور
چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی، پانی پلاتی تھی، اور تین فرسخ پر اُن کے
نخلستان سے کھجور کا بوجھ سہرہ پر رکھ کے لایا کرتی تھی،

طلاق۔ حدیث میں ہے: ”غصہ میں طلاق نہیں ہوتی،“ اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ

نے میری امت کو اسکے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے، اور فرمایا: عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے، اور فرمایا: خدا نے میری امت کیلئے اسکی بھول چوک اور غلطی معاف کر دی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے، صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے اسکا ذکر رسول اللہؐ کی خدمت میں کیا، فرمایا: کہ رجوع کر لیں یہاں تک کہ پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اسکے بعد چاہیں رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دیدیں، یہی وہ میعاد ہے جو خدا نے طلاق کیلئے مقرر کی ہے،

مسند احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی۔ آنحضرتؐ نے انہیں رجوع کر نیکا حکم دیا اور فرمایا: جب پاک ہو ہائے خواہ طلاق دیدینا یا رکھ لینا،

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام: حلال طریقے یہ ہیں کہ حالت طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا محل کے اچھی طرح ظاہر ہو نیکے بعد دے۔ حرام طریقے یہ ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دے یا حالت طہر میں خلوت کے بعد۔ یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرف میں آپکی ہوں لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالت حیض و طہر ہر حال میں طلاق دی جاسکتی ہے قرآن میں ہے:

لَوْ جُنَّاحُ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيْصَةً ۚ (۲: ۱۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذَا تَكَهْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ تَكُنَّ مُؤْمِنَةً ۚ (۲۴: ۲۷)

بیک دفعہ تین طلاق

آنحضرت صلم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں

۱۵ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ماٹھ لگانے یا ہر تکرار کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو۔

۱۵ مومنو! اگر ماٹھ لگانے سے پہلے تم عورتوں کو طلاق دیدو تو ان پر کوئی عت نہیں ہے۔

دیدہ ہیں۔ آپ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے!“

مسلم کی روایت ہے: عہد نبویؐ، خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمرؓ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دیدینے میں بہت پیشقدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ کر دیا۔

مسند احمد میں ہے: ”رکانہ بن عبدیزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی، فرمایا تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟ کہا تین طلاقیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں، فرمایا ”تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا، جی چاہے رجوع کر لے“ انہوں نے رجوع کر لیا۔

غور کرو فرمایا ”صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا“، یہ اسلئے کہ جو چیز ۱۔ حضرت عمرؓ نے یہ محض تعزیر لگایا تھا جس کا امام کو حق ہے تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانیکے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم لیکر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اسکی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علما کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر ہوتا ہے کہ غفتمیں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں، جسکے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق بائن نہیں، لیکن ہمارے علما، فوازن و شوہر کہہ کر دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے چلتے سینکڑوں گھروں کی خرابی کے باعث بنتے ہیں۔ اگر علما، انہیں تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانیکے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پروا نہ کریں۔ (مترجم)

یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اسے بیک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔ مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہہ دے کہ میں چار مرتبہ خدا کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اسکا یہ کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا، چار مرتبہ نہ ہوگا۔ یا مثلاً رسول اللہؐ نے ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو کیا اسکا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جب طلاق کے لئے حکم ہے کہ تین زمانوں میں ایک ایک کر کے دی جائے تو بیک دفعہ کا تین طلاقیں دیدینا، تین پر محمول نہ کیا جائیگا بلکہ اسکا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔

عمر بن شعیبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر مومن رٹ غولی کرے کہ شوہر نے طلاق دیدی، پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہئے، اگر قسم کھائے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائیگا، لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اسکا یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے ہو جائیگا اور طلاق واقع ہو جائیگی۔

ظہار

کتاب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں: ”یا رسول اللہ! اوس نے مجھ سے اُس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی، اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بوڑھی ہو گئی اور پیٹا ولا سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے، آنحضرتؐ نے سب قصہ سُکھ سنا دیا: ”تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے،“ اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں: ”خداوند! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے! روایت ہے کہ خولہ نے یہ بھی کہا تھا کہ ”میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر باپ پاس رہینگے، خراب ہونگے، میرے پاس رہینگے،“

ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

بھوکے مریٹے، حضرت عائشہؓ واقعہ بیان کرتی ہیں: ستائش ہے اُس خدا کے لئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے، خولہ بنت ثعلبہ، رسول اللہ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لیکر آئی، میں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی۔ اسی کو بائے میں آیت نازل ہوئی: قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ (۱: ۲۸) اس پر رسول اللہ نے فرمایا: ”اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہئے“ وہ کہنے لگی ”اتنی مقدرت نہیں“ فرمایا ”دو مہینے مسلسل روزے رکھے، کہنے لگی ”بہت بوڑھا ہے“ فرمایا ”اچھا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے“ کہنے لگی ”اسکی بھی استطاعت نہیں“ فرمایا ”میں ایک ٹوکرا دیکر اسکی مدد کرونگا“ اس نے کہا ”میں بھی ایک ٹوکرا سے مدد کرونگی“ فرمایا: شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو۔

ایلا

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی، آپ نے ازواج سے ایلا کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد اترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے تو ہمینہ بھر کا ایلا کیا ہے۔ فرمایا: ہمینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے، قرآن میں ہے: لِلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ تَحْتِ يَدِهِمْ تَرْبُحًا أَذْبَعَةً أَشْهُرًا فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ، فَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ، (۱۲: ۲)

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ

ایلا کرنے کی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معین زمانہ تک نہ جائیکا ارادہ کرے۔
۱۔ جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلا کریں، عورتیں چار مہینے انتظار کریں گی، جسکے بعد اگر شوہر رجوع کر لیں تو خدا منفرت اور رحم کر نیا لا ہے، لیکن اگر طلاق کا غزم کر لیں تو خدا سمیع و علیم ہے۔

میری بیوی کے کالا لڑکا پیدا ہوا ہے، اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟“ کہنے لگا ”ہیں“ فرمایا ”کس رنگ کے ہیں؟“ کہا ”سرخ ہیں“ فرمایا: ”ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟“ کہا ”ایک ہے“ فرمایا: ”تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے آگیا؟“ کہنے لگا ”شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے“ فرمایا: ”تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے“

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کیلئے برتن تھا، میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کیلئے گہوارہ تھی، اب اسکے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، فرمایا: ”جب تک تو دوسرا عقد نہ کرے اسکی زیادہ مستحق ہے،“ حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے چاہے ماں کے پاس۔

نان نفقہ

عورت کو کتنا نفقہ دیا جائے؟ اسکے متعلق کوئی حکم دار نہیں بلکہ اسے عرف عام کے حوالہ کر دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجتہ الوداع کے عظیم الشان جمع میں فرمایا تھا: ”عورتوں کے باب میں خدا سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں خدا کی ضمانت پر لیا اور اسی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے“ صحیحین میں ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہند نے آنحضرت سے شکایت کی کہ ”ابوسفیان نجیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کیلئے کافی ہو، میں اسکی لاعلمی میں اسکے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں“ فرمایا: ”خیر خواہی کے ساتھ حضرت بھرکالے لیا کرو“

واقظنی کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کیلئے نان نفقہ نہ ہو، رسول اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق دیدے۔ ابو الزناد کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا: ”جسکے پاس نان نفقہ نہ ہو کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائیگا؟“ کہا ”ہاں“ میں نے کہا ”کیا یہ سنت ہے؟“ کہا ”ہاں سنت ہے“

مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو جب اُنکے شوہر نے طلاق بائن دیدی اور انہوں نے رسول اللہ کے حضور میں اُس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود اُنکی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن ام مکتوم کے مکان میں جا کر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔ نسائی نے بھی فاطمہ کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا نفقہ اور گھر اس عورت کیلئے ہے جسکے شوہر کو رجوع کرنا حق ہو۔ اسکی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لَعَلَّ اللَّهُ يُخَدِّثَ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا۔ (۱۷: ۲۸) (شاید خدا اسکے بعد (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے، یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جانے) سورہ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب

ابوداؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا: کس سلوک کروں؟ فرمایا: اپنی ماں سے، باپ سے، بہن سے، بھائی سے، اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے، یہ ایک حق ہے جسکا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے، ”نسائی میں ہے: دینے والا ہاتھ اونچا ہے، رجب پہلے انہیں دو جسکا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں، باپ، بہن، بھائی پھر وہ جو تم سے زیادہ قریب ہیں“ ابوداؤد

میں ہے: ”سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو، تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے، لہذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو۔“

رضاعت

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی گئی کہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کر لیں۔ آپؐ نے جواب دیا: ”وہ میرے لئے جائز نہیں، وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی“ ابو داؤد میں ہے: ”رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے“

عدت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو تفصیل بتایا ہے اور اسکی چار صورتیں قرار دی ہیں: (۱) حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو یا رجعی یا اسکا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ فرمایا: وَأُولَاتِ الْأَوْثَانِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (۱۴: ۲۸) جمہور صحابہؓ کا یہی مسلک ہے، حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدت پوری ہو گئی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتوے موجود ہے۔ (۲) حیض والی مطلقہ کی عدت، تین طہریں۔ فرمایا: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (۱۲: ۴)۔ (۳) اُس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یکم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین مہینے ہیں۔ فرمایا: وَاللَّائِي يَكْسِرْنَ آمْنَهُنَّ مِنَ الْحَيْضِ (۱۵) اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیسا کہ جہلاء خیال کرتے ہیں۔

۱۵ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

۱۶ طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

مِنْ نِسَاءِ كُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحْضُرْنَ ۖ (۲۸: ۱۷)

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ

أَزْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ (۲۹: ۱۷)۔ یہ حکم ان بیواؤں

کا ہے جو حاملہ نہ ہوں، کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جسکی عدت بہر حال وضع حمل ہے

عام اس سے کہ وضع حمل عام عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

بیوع

صحیحین میں ہے: اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردہ جانور، سور، اور بیتوں

کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت

حرام ہے: ایسے تمام عرق جو عقل برباد کرتے ہیں۔ ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے

ہیں، ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

۱۔ جو قوتیں حیض سے یا بوس میں اور جنس میں حیض نہیں آتا انکی عدت تین مہینے ہے۔

۲۔ جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

باب تندرستی

مرض دو قسم کا ہوتا ہے : مرض قلب اور مرض بدن۔ قرآن میں ان دونوں قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرق علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کا علاج صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہے، وہی طبیب روحانی ہیں اور انہیں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارض جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور ان کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسباب خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسوہ نبوی

صحیح مسلم میں ہے: ”ہر بیماری کیلئے دوا ہے، اگر دوا لگ گئی تو مریض حکم الہی سے شفا پا جاتا ہے“ صحیحین میں ہے: ”خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جسکی دوا بھی نہ اُتاری ہو“ مسند میں اسامہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بد آئے اور پوچھنے لگے: ”یا رسول اللہ! کیا ہمیں علاج کرنا چاہئے؟“ فرمایا: ”اے خدا کے بندو! دوا کرو کیونکہ خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری جسکی دوا بھی نہ اُتاری ہو“ بجز ایک بیماری کے جسکی کوئی دوا نہیں“ کہنے لگے ”وہ کون بیماری

ہے؟“ فرمایا: ”بڑھاپا، ایک حدیث میں ہے: ”خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو جسے معلوم ہو گئی، معلوم ہو گئی جسے نہ معلوم ہوئی نہ معلوم ہوئی“ سنن میں ابو خزیمہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا: ”آپ کی رائے جھاڑ پھونک، دوا، اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے؟“ کیا ان سے خدا کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟“ فرمایا: ”یہ بھی تو خدا کی تقدیر ہے“ روایت ہے کہ آپ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لگے اور فرمایا: ”کسی طبیب کو بلاؤ“، ایک شخص کہنے لگا: ”اور آپ بھی یا رسول اللہ ایسا کرتے ہیں!“ فرمایا: ”وہاں خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جسکی دوا بھی نہ اتاری ہو“

ان احادیث سے اسباب و مسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تردید بتوتی ہے جو علاج معالجہ کو بُرا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہئے

موطا میں فریبہ بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہو گیا اور خون اندر بند ہو گیا۔ آپ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بنور دیکھ کر فرمائیے: ”تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟“ ایک شخص عرض کرنے لگا: ”کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں، جس نے بیماری اتاری ہے اُسی نے دوا بھی اتار دی ہے“

امراض معدنیہ سے تحفظ

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپ اُس سے نہیں ملے بلکہ کھلا بھیجا: ”لوٹ جاؤ، اہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی،“ بخاری میں ہے: ”جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو“ سنن ابن ماجہ میں ہے: ”جذامیوں کی طرف ٹپٹکی باز نہ دیکھا کرو“ صحیحین میں ہے: ”بیمار تنہا رستوں میں نہ داخل ہو“ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے

گفتگو کرو نیم حکیم

سنن ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے: ”جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ضامن ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب کو علاج نہ کرنا چاہئے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بد مضی

سند وغیرہ میں ہے: جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے بُرا ظرف پیٹ ہے، ابن آدم کیلئے چند لقمے کافی ہیں جو اسکی کمر کو سیدھا رکھیں، اور لگژریلوہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کیلئے، ایک ثلث پانی کیلئے اور ایک ثلث سانس کیلئے رکھے۔

اپدیشین

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جسکی پیٹھ پر دم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اسکی پیٹھ میں بتوڑی ہے، فرمایا: ”چاک کر ڈالو“ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ اس وقت تک وہاں موجود رہے جب تک اعلیٰ جراحت پورا نہ ہو گیا۔

بیمار کو کھانے کیلئے نہ مجبور کرنا

ترمذی میں ہے: ”بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھانا پلاتا ہے“ بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبویؐ فوائدِ طبیہ سے لبریز ہے۔ کیونکہ بیمار اسے تو مستحبِ نبویؐ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو بچے اُسے ملعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے۔ (مترجم)

جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اُسکے کئی اسباب ہوتے ہیں، یا تو طبیعتِ مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے، یا حرارتِ غریزی کے کم ہو جانے سے رغبت نہیں ہوتی، یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے، غرض کہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، الا اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل بہلانا

ابن ماجہ میں ہے: ”جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اُسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے،“ یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا، فرمایا: ”وہ دوا نہیں، خود بیماری ہے،“ (کتب سنن) بخاری میں ہے: ”جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی“

حیات

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ”حیاتِ طیبہ“ کا کامل نمونہ تھا۔ آپ مادی اور روحانی اصلاح و سعادت کے اصول و قواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہ قرآنی اصول تھے، جنکی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن، عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے، اور جنکے ترک ہجران نے مسلمانوں کو اُس بلندی سے اس بستی میں لا کر آیا اور جہانگیری و جہان بانی کے بدلے اغیار کا محکوم و غلام بنا دیا !

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتیٰ کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی انکی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ وہ الہامی کتابوں کے درس و تدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دُور لے جا ڈالا ہے، اب کتاب اللہ کی تلاوت، ہدایت و عمل کیلئے نہیں، صرف تبرک کیلئے رکھی ہے۔ حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی یہ تمام ترقی و سر بلندی انہیں اصولوں کی پابندی کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے اُن سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونیکے اُن کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھانکے !

ایک لمحہ کیلئے ہم اپنے اور اُنکے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی رسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ موازنہ

نہایت حسرتناک ہو گا مگر کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو۔ مسلمانو، ذرا دیکھو، غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

ہم اب تک ”ضربِ زیدٌ عمرواً“، عمرو کو زید سے پٹولنے میں مصروف ہیں اور وہ صنعت و حرفت، تجارت، اور ایجادات و اکتشافات کے سر کرنے میں منہمک ہیں....! ہم جمع الجوامع“ اور ”ابنِ حاجب“ جیسی کتابوں کے رموز و غوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بیضِ عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضا کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں.....!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی فکر میں حیران و سرگردان ہیں، لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوتاہ ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کی ادھیڑ پین میں پڑے ہیں، اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات نکالنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں....! ہم ”تَابَطْ شَرَاء“، اور ”مَعْدِنِکَرَب“ کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ اودیہ و ماکولات و مشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں، برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں، توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں، ریل کی ٹیڑیاں بچھاتے ہیں!

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور ”رأیت فی الحمام اسدا“ (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سہ ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھندلتے ہیں، لیکن وہ جہاز بناتے ہیں، سمندروں کو طے کرتے ہیں، پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لیجاتے ہیں، بجلی کو تاروں پر دوڑاتے ہیں، اور خشکی اور تری کو ایک کر رہے ہیں....! ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس، لیکن وہ انہیں درست کرتے اور ان سے دولت پیدا کر رہے ہیں....!

صفات الہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ ”قدیم ہیں، ازلی ہیں، قائم بالذات ہیں، اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اٹھ جائے تو انہیں دیکھ لیں،“ لیکن وہ انکی تحقیق الفاظ سے نہیں، عمل سے کرتے ہیں، وہ انسانی و حیوانی و نباتی اجسام کے عجائبات سے پرہ اٹھاتے اور قوانین الہیہ و سنن فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں..... !

ہمارے علوم و فنون کی حدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں، انہیں عمل سے کوئی تعلق نہیں، تزکیہ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمانوں پر اُڑے، زمین کے اندر پہنچے، پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتیٰ کہ ہماری گردنیں بھی نیچی کر دیں اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہمارے گلے میں ڈال دیا..... !

یہ ہے ہماری اور یہ ہے انکی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو : قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (۱۵: ۲۳)

لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا و نخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے

اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے : الدنيا جنة الكافر وسجن المؤمن، (دنیا

کافر کی جنت اور مومن کا قید خانہ ہے) یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی و تمدن سے

دور کر دیتا ہے، کیونکہ اسکے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے

پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے ؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے : ”من صام

ثلاثة ايام من وجب غفرته ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر وادخل الجنة بغير

حساب واعطى ما لم يحصه الا الله من نعيمه“ (جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے

اسکے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر زخار کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا

دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شاد کام ہوا جنکا اندازہ بحر خدا کے کوئی نہیں کر سکتا ! اور

کتاب ہے : ”جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے، اگرچہ عمل نہ کرے، امت محمدیہ ہے، اور امت

محمد کیلئے ہمیشہ خوشخبری ہے!، اور کہتا ہے: ”نبی صلعم قیامت میں گنہگار دکنی شفاعت کریں گے، سخت سے سخت مجرم و غاطی جنت میں جاسکتا ہے، اور زیلہ سے زیادہ نیک و ارادہ فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جاسکتا ہے“

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں، بزدلی، ہستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبت الہی کو زائل کرتیں، خداوندی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے ڈالتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے، عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں، لیکن اس پر بھی اسلام کے مدعی ہیں، اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تائید ذمہ داری انہیں بدنام اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکلے مسلمانوں کے دلوں میں گراہی کا گھر بناتی ہیں۔

ہمارے وعظ سُنکر دانا و بینا انگشت بندگان رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کیلئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سر بلندی حاصل کریں اور مومن کیلئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت و خواری، محرومی و نامرادی، عبودیت و غلامی کے ساتھ اسمیں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اُس حکیم و برتر کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کابلوں، غافلوں اور غلاموں کے لئے ہے، اور گویا اسلام ذلت و مسکنت، لا چاری و بے چارگی، غلامی و خواری کا مجموعہ ہے!

حالانکہ اگر دیدہ بصیرت و اہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام،

عمل و نشاط، دولت و ثروت، جاہ و جلال، حکومت و سلطنت کا مذہب ہے۔ اگر خدا نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل و خوار ہونے کیلئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت و سعادت کس بنا پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی سرخروئی، دنیا کی روسیاسی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ کیا آخرت اسی دنیا کا نتیجہ نہ ہوگی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت اُن روسیاء ہوں کو بھی بلجائیں گی جنکے کیسے میں بجز دعوئے اسلام اور فسق و فجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پُری لُٹ رہی ہے کہ ہر کس و نا کس اس پر قابض ہو جائیگا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے، ضلالت ہے۔ جنت و آخرت، اجر و ثواب کا دوسرا نام ہے۔ جنت و آخرت، عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور معاوضہ ہے: جَزَاءُ وَّ فَاقًا، (۱:۳۰)

(پورا پورا معاوضہ) اور فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَلَىٰ فَبِمَا كَسَبَتْ يَدَايَاهُ يَأْتِيهِمْ فِيهَا مَالُهُمْ (۸:۱۵) (جو اس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ) اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے، جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمتِ امت و وطن سے ہٹا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے، ضرور ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے، بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے، جنت کی جھلک تک نہ دیکھے، کیونکہ وہ کافر ہے، مومن نہیں۔

مسلمان آنکھیں کھولیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ خدا نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول	إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِآلِهِ
پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہیں پڑے، اور اللہ	وَرَسُولِهِمْ شَفَعَتْ لَهُمْ تَابُوا وَأَوْجَاهُهُمْ
کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہی لوگ	يَأْمُرُ إِلَهُمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ہوتے ہیں۔	أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ - (۱۴:۲۹)

اور فرمایا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْتَىٰ وَ
هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰٓةً طَيِّبَةً
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ
مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (۱۴ : ۱۹)

اور فرمایا :

خُلْ مِنْ حَرَمِ زِينَةِ اللّٰهِ الَّتِي
اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ
الرِّزْقِ ، كُلُّ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي
الحَيٰةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ
الْقِيَامَةِ ، كَذٰلِكَ تَفْصِلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ۔ (۸ : ۱۱)

اور فرمایا :

وَلَنَجْجَعِلَ اللّٰهُ لِكُلِّ فِرْعٰنٍ عَلٰى
الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ (۵ : ۱۷)

اور فرمایا :

وَنَخْتَرُ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (۲۵ : ۶۵)

اور فرمایا :

فِيهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

حالت ایمان میں جو کوئی مرد یا عورت اچھے عمل کر گیا
ہم اُسے اچھی زندگی بخشیں گے اور اُنکے بہترین اعمال
کے حساب سے انکو بدلہ دیں گے۔

اے پیغمبر! پوچھو کہ اللہ کی زینت کو جسے اُس نے
اپنے بندوں کیلئے بنایا اور اچھے رزق کو کس نے
حرام کر دیا ہے؟ کہدو کہ یہ سب مومنوں کیلئے
دنیا کی زندگی میں اور بالکل انہیں کیلئے قیامت کے
دن ہے، ہوشمندوں کیلئے ہم اس طرح نشانیاں
کھولتے ہیں۔

خدا مومنوں پر کافروں کو ہرگز کوئی راہ نہ دیگا۔

آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے
خدا نے مسخر کر دیا ہے، اس میں غور کریوالوں کیلئے
بڑی نشانیاں ہیں۔

غلبہ و سواکت اللہ کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے

وَلِكُلِّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ - (۱۳: ۲۸) | اور مومنوں کیلئے، لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا :

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
وَلَيُمَيِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ
خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۱۳: ۸)

تم میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں ضرور زمین کا وارث بنائیگا ٹھیک اس طرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا، اور ضرور انکے اُس دین کو مستحکم قائم کر دیگا جسے ان کیلئے پسند کیا ہے اور ضرور خوف کو امنِ امان سے بدل دیگا، اسکے بعد وہ میری ہی عبادت کریں کسی چیز کو بھی میرے ساتھ شریک نہ کریں، اسکے بعد بھی جو کفر کرے، بلاشبہ وہ فاسق ہے۔

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومن کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے، علوم و فنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہے، مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَلَا الْغَالِبِينَ کی سی ہیما نہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگِ حمیت کو جنبش ہو، عمل کی طرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوقِ شہادتِ دلوں کو بے تاب کر دے ... !

ربنا اتنا سمعنا مدایا ینادی لایمان ان الاموا بریکم، فآمنّا۔ ربنا فاغفر لنا
ذنوبنا وکفر عنا سیتنا اتنا و توقنا مع الابرار۔

(ابوزید)

مستم

